عنبر ناگ ماریا
(قسط نمبر ۳۱)
سانپ اور دیوتا
PDFBOOKSFREE.PK
1
اے حمید

سانپ اور دیوتا

فہرست

www.urdurasala.com

خزانے کی تلاش

بندرگاہ دور سے دکھائی دینے لگی۔

سوداگر کے بادبانی جہاز کے بادبان اتار دیے گئے۔ جہاز کم رفتار کے ساتھ چلتا ہوا بندرگاہ کیساتھ جا لگا۔ وہاں کے لوگوں کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ جاپان کے سمندری جزیروں سے ایک جہاز غلاموں کو بھر کر لا رہا ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگ وہاں غلام خریدنے کے لیے پہلے ہی سے موجود تھے۔ سوداگر نے عنبر سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دوبارہ

کبھی زندگی میں غلاموں کی تجارت نہیں کرے گا۔ وہ عنبر کا بے حد
احترام کرتا تھا اور اس کی طاقتوں سے خوف بھی کھاتا تھا۔ مگر کپتان کی
نیت خراب ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے تھے۔ کپتان نے
سازش کر رکھی تھی کہ وہ خزانے کی تلاش میں جاتے ہوئے راستے میں
سوداگر کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دے گا اور اپنے ساتھیوں کے
ساتھ مل کر جہاز پر قبضہ کر کے خزانے کی تلاش وہ خود کرے گا۔ اس
سازش میں کپتان کے ساتھ جہاز کے دس بارہ جہازی بھی شریک
تھے۔

عنبر جہاز کے عرشے پر سوداگر اور کپتان کے ساتھ کھڑا سیڑھی لگنے کا
انتظار کر رہا تھا۔ رخسانہ بھی عنبر کے پاس ہی کھڑی تھی۔ سوداگر نے
رخسانہ کو آزاد کر دیا تھا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ رخسانہ کو یاماہا کی بندرگاہ پر
اس کے ایک رشتے دار کے حوالے کر دے گا۔ رخسانہ کا یہ رشتے دار

شہر کے اندر ریشمی قالینوں کا کاروبار کرتا تھا۔ بندرگاہ کے قلی سیڑھی اٹھا
کر جہاز کے ساتھ لگا رہے تھے۔ سوداگر نے عنبر سے کہا۔

"آپ یہاں دوسرے جہاز کا انتظار کریں گے یا میرے ساتھ
آگے چلنے کا ارادہ ہے؟ میں یہاں سے چار دن کا سفر کر کے دوسرے
شہر سے تجارت کا مال لے کر واپس جنوبی افریقہ چلا جاؤں گا۔ اگر
آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو میں جنوبی افریقہ سے آپ کو
جاپان جانے والے جہاز میں سوار کروا دوں گا"۔

عنبر نے پوچھا

"اس بندرگاہ سے مجھے جاپان جانے والا جہاز کب مل سکے گا؟"

کپتان نے کہا

"یہاں سے اب ایک ماہ کے بعد جاپان کو جہاز جائے گا۔ کیونکہ
ابھی دس روز ہوئے یہاں سے ایک جہاز جا چکا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایک مہینہ اس اجنبی بندرگاہ پر رک کر جہاز کا انتظار کرنا ہوگا"۔

کپتان نے کہا

"جی ہاں، لیکن اگر میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو بہتر ہوگا۔ اگر آپ کی مرضی اس شہر کی سیر کرنے کی ہے تو میں آٹھ روز بعد یہاں سے گزروں گا۔ میں واپسی پر آپ کو یہاں سے لے چلوں گا"۔

عنبر بولا:

"ہاں، میرا خیال ہے، یہ تجویز زیادہ اچھی لگتی ہے۔ میں آپ کا اسی بندرگاہ پر آٹھویں روز انتظار کروں گا۔ اس دوران میں اس نئے شہر کی سیر بھی ہو جائے گی اور رخسانہ بہن کو بھی اس کے رشتہ داروں کے حوالے کر دوں گا"۔

سوداگر نے کہا:

"کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟"

عنبر بولا

"ہاں، یہ میرا آخری فیصلہ ہی سمجھیں"۔

اتنی دیر میں سیڑھی جہاز کے ساتھ لگا دی گئی۔ سب سے پہلے عنبر، سوداگر اور رخسانہ نے زمین پر قدم رکھا۔ عنبر، رخسانہ کو لے کر اس کے رشتے دار کے ہاں چل دیا۔ ان کے بعد جہاز پر سے غلاموں کو زنجیروں میں جکڑ کر اتارنا شروع کر دیا گیا۔ عنبر کے کہنے پر سوداگر نے عورتوں اور بچوں کو بھی آزاد کر دیا تھا۔ اسی وقت بندرگاہ پر منڈی لگ گئی۔

غلاموں کو بولی دے کر نیلام کیا جائے گا۔ امیر لوگ غلاموں کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کر خرید رہے تھے۔ جن عورتوں اور بچوں کو آزاد

کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک طرف بیٹھے آپس میں خوش ہو ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں اتنے پیسے دے دیئے گئے تھے کہ وہ دوسرے جہاز کا کرایہ ادا کر کے واپس جاپان اپنے وطن جا سکیں۔

عنبر نے سوداگر سے کہا تھا کہ وہ رخسار کو اس کے رشتے داروں کے حوالے کر کے شام تک واپس جہاز پر آ جائے گا۔ عنبر وہ رات جہاز پر ہی بسر کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر تک سارے کے سارے غلام فروخت کر دیئے گئے۔ غلاموں سے جہاز خالی ہو گیا تو سوداگر نے کپتان سے کہا۔

''ہمیں کل تک کھانے پینے کا سارا سامان جہاز میں ڈال لینا چاہیے تا کہ اگلا سفر آسانی سے کٹ جائے:

کپتان اصل میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ سوداگر وہاں سے آگے دوسری بندرگاہ پر تجارت کا سامان خریدنے جائے۔ اس کی خواہش تھی بلکہ چال بھی تھی کہ سوداگر کو اسی جگہ سے گمنام جزیرے کی طرف لے جایا جائے تا کہ راستے میں اس کام کے لیے کپتان نے اپنے ساتھیوں کو بالکل تیار کر رکھا تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ سوداگر عنبر سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ وہاں سے آگے تجارتی مال خریدنے جائے گا تو اسے اپنی چال ناکام ہوتی نظر آئے۔ اس نے سوداگر سے کہا:

''حضور، آپ شاید جزیرے والے خزانے کو بھول گئے ہیں''۔

سوداگر بولا:

''ارے ہاں خوب یاد دلایا۔ میں تو خزانے کو بھول ہی گیا تھا۔ تمہارے پاس تو اس کا پورا نقشہ موجود ہے''۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

''حضور، ایک بار آپ خزانے پر پہنچ گئے تو ساری زندگی کاروبار کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اتنی دولت، اتنے ہیرے

جواہرات ہاتھ لگیں گے کہ آپ کی اولادیں سکھ چین کی زندگی بسر کریں گی۔ پھر آپ کو سمندروں میں بھٹکتے پھرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ساری زندگی عیش آرام سے گزرے گی۔“

سوداگر بولا:

”تمہاری بات میرے دل کو لگتی ہے۔ اگر خزانہ مل گیا تو پاؤ بارہ ہو جائیں گے۔ میں بھی اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔

کپتان نے کہا:

”اور سرکار آپ نے عنبر سے وعدہ بھی کرلیا ہے کہ آئندہ غلاموں کی تجارت نہیں کریں گے۔ تو پھر یہ نقصان اسی طرح پورا ہوگا کہ آپ خزانے کو حاصل کریں۔ خزانے کے جواہرات فروخت کر کے آپ اس قسم کے سات جہاز اور تیار کروا سکتے ہیں۔ آپ کا ہر بندرگاہ پر ایک عالی شان محل ہوگا۔ آپ کے تجارتی جہاز سمندر میں سفر کریں

گے اور آپ گھر بیٹھ کر آرام سے زندگی بسر کریں گے“۔

سوداگر پیسے اور دولت کا بڑا لالچی تھا۔ مکار کپتان نے اسے کچھ ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ آگے جا کر تجارتی مال خریدنے کی بجائے کپتان کیساتھ خزانے کی تلاش میں جانے پر راضی ہو گیا۔ آدھا تیار تو وہ پہلے ہی تھا۔ باقی آدھا تیار کپتان نے اپنی لچھے دار باتوں سے کر دیا۔

ادھر عنبر رخسانہ کو لے کر شہر کے اندر آ گیا۔ یہاں اس نے رخسانہ کے رشتے دار سوداگر کی تلاش شروع کر دی۔ رخسانہ کو اتنا معلوم تھا کہ اس کا ایک ماموں وہاں قالینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ پوچھتے پوچھتے آخر عنبر رخسانہ کے ماموں کی حویلی پر پہنچ گیا۔ یہ بہت خوبصورت اور اونچی لمبی حویلی تھی جس کے باہر دربان کھڑا تھا۔ عنبر نے دربان سے پوچھا کہ حویلی کے مالک کا کیا نام ہے؟ دربان نے نام بتایا تو وہ

رخسانہ کا ماموں نکلا۔ معلوم ہوا کہ رخسانہ کا ماموں اپنے بچوں سمیت کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک ماہ سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ عنبر سوچنے لگا کہ وہ رخسانہ کو کس کے حوالے کرے دربان کو جب معلوم ہوا کہ مالک کی بھانجی آئی تو اس نے بڑے ادب کے ساتھ عنبر اور رخسانہ کو بیٹھک میں بٹھایا اور بولا:

''حضور، آپ پریشان نہ ہوں۔ رخسانہ ہماری بیٹی ہے۔ اسے آپ میری بیوی بچوں کے پاس چھوڑ جائیں۔ ہم ان کے ماموں جان کا نمک کھاتے ہیں۔ ہماری یہ بھی مالکن ہیں۔ یہ ہمارے پاس بڑی ہنسی خوشی رہیں گی۔ اور انہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

عنبر نے رخسانہ سے پوچھا:

''رخسانہ بہن' تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم یہاں رہنے کو تیار ہو؟''

رخسانہ بولی:

''پیارے بھائی' یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں یہاں بڑی خوشی کے ساتھ رہ لوں گی۔ اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ بھی نہیں جا سکتی۔ کیوں کہ تمہیں جہاز کا انتظار کرنا ہے۔ اگر تم بھی میرے ساتھ اس حویلی میں رہ لو تو بڑا اچھا ہو۔ جہاز کی واپسی تک ہم اسی حویلی میں انتظار کریں گے۔ اس طرح سے میرا دل بھی لگ جائے گا''۔

عنبر نے کہا:

''جیسے تمہاری مرضی رخسانہ بہن' میں بھی تمہارے ساتھ اسی حویلی میں رہ جاتا ہوں۔ آخر مجھے بھی تو واپس جاپان ہی جانا ہے''۔

عنبر نے رخسانہ کو دربان کی بیوی بچوں کے حوالے کیا اور خود شہر کی سیر کرنے حویلی سے نکل پڑا۔ یہ بندرگاہ کا شہر تھا۔ سمندر کے تجارتی راستے پر ہونے کی وجہ سے وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ اگرچہ یہ کوئی بڑا شہر نہیں تھا پھر بھی وہاں رونق تھی۔ دکانوں پر لوگ خرید و فروخت کر

رہے تھے۔ باغوں میں بچے جھولے جھول رہے تھے۔ عبادت گاہوں
میں عورتیں اور مرد عبادت کرنے جا رہے تھے۔ دوسری طرف کھیتوں
میں خریدے ہوئے غلام جانوروں کی طرح کام کر رہے تھے اور ان
کے سروں پر مالک ہنٹر لیے کھڑے تھے۔ عنبر سیر کرتے کرتے شہر کے
اس علاقے میں آ گیا جہاں ماہی گیر سمندر کنارے کشتیوں میں بیٹھے
مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

کافی دیر تک وہ سمندر کنارے کھڑا ماہی گیروں کو گیت گاتے اور
مچھلیاں پکڑتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ادھر ادھر کی سیریں کرتا واپس اپنے
جہاز پر آ گیا۔ کپتان نے سوداگر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ عنبر کے ساتھ
خزانے کی تلاش کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ اس لیے کہ
کپتان ڈرتا تھا، کہیں عنبر بھی ساتھ نہ چل پڑے۔ اسے معلوم تھا کہ اگر
عنبر بھی ان کے ساتھ گیا تو وہ اپنی چال میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ عنبر
بندرگاہ پر پہنچا تو سوداگر جہاز پر کھڑا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے پوچھا:

"کیا بچی کو اس کا ماموں مل گیا؟"

عنبر نے کہا:

"ماموں تو نہیں ملا، مگر اس کا گھر مل گیا ہے"۔

سوداگر نے کہا:

"چلو اچھا ہوا۔ ایک ذمے داری کا بوجھ تو اتر گیا"۔

عنبر بولا:

"ہاں، لیکن میں نے اسی کی حویلی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں
چاہتا ہوں کہ رخسار کو خود اس کے ماموں کے حوالے کروں۔ وہ کسی
دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ ایک ماہ تک واپس آ جائے گا۔ اتنی دیر تو
ویسے بھی مجھے اس شہر میں رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا
تھا"۔

سوداگر کہنے لگا:

"ہاں، یہ تو ہے۔ میرا ارادہ پرسوں یہاں سے لنگر اٹھانے کا ہے"۔

عنبر سوداگر کے پاس تخت بیٹھ گیا۔

"اتنی جلدی؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم کم از کم ایک ہفتہ یہاں ٹھہرو گے"۔

سوداگر کے قریب ہی کپتان بھی آ کھڑا ہو گیا۔ کپتان کو ڈر تھا کہ کہیں سوداگر اسے اصلی بات نہ بتا دے کہ وہ خزانے کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ سوداگر جان بوجھ کر عنبر سے دل کی بات چھپا گیا اور بولا:

"کھانے پینے کا سارا سامان لاد لیا گیا ہے۔ سوچتا ہوں اب یہاں یوں ہی بے کار کھڑے رہنے سے کہیں اچھا ہے کہ چل کر کاروبار کیا جائے۔ غلاموں کی تجارت چھوڑنے کا نقصان بھی تو پورا کرنا ہوگا"۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے ایک برے کام سے توبہ کر لی ہے۔ اس کا تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ بہر حال میری دعا ہے کہ تم اپنے کاروبار میں ترقی کرو۔ تم جہاں رہو خوش رہو"۔

سوداگر نے مکاری سے کہا:

"بس مجھے تو تمہاری نیک تمنائیں چاہئیں۔ تم نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی ہے۔ اب مجھے دنیا میں کسی شے کا بھی لالچ نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ دیانت داری سے کام کروں اور جو روکھی سوکھی ملے اسی پر گزارہ کروں"۔

حالانکہ سوداگر پہلے سے زیادہ لالچی ہو گیا تھا اور خزانے کی تلاش میں اپنی زندگی کا خطرہ مول لے رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

"میں تم سے بہت خوش ہوں کہ تم ایک اچھے انسان بن گئے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ساری زندگی انسان ہی بنے رہو گے"۔

سوداگر بولا:

"میں نے ساری زندگی اچھا انسان بنے رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ عنبر، تم زندگی میں جب کبھی بھی مجھے ملو گے ایک اچھا انسان ہی پاؤ گے"۔

کپتان نے جھوٹ موٹ منہ بنا کر کہا:

"ان کے ساتھ ہمیں بھی اب غریبی میں عمر بسر کرنی پڑے گی"۔

عنبر نے کہا

"کپتان صاحب، نیک اور سچی زندگی اگر غریبی میں بھی بسر ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ برے آدمی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا

ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو"۔

سوداگر نے سر جھکا کر کہا:

"واہ واہ، بجا ارشاد فرمایا"۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد عنبر واپس رخسانہ کے پاس چلا گیا۔

دوسرے روز رات گئے تک کپتان اور سوداگر سفر پر روانہ ہونے کی تیاریاں کرتے رہے۔ جہاز کے بادبانوں کی پھر سے مرمت کی گئی۔ پانی اور کھانے کی چیزوں کا اور زیادہ ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ کیونکہ خزانے والے جزیرے کا سفر لمبا تھا۔ شام کو عنبر جہاز پر آیا۔ اور سوداگر سے آخری ملاقات کر کے واپس چلا گیا۔ کیوں کہ صبح جہاز اپنے دشوار سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ سوداگر نے کچھ اور ملاح بھرتی کرنے کا خیال ظاہر کیا تو کپتان نے کہا:

"اس کی کیا ضرورت ہے حضور، جہاز پر اس وقت جتنے ملاح کام کر

رہے ہیں اتنے ہی کافی ہیں"۔

اس لیے کہ کپتان نہیں چاہتا تھا کہ نئے لوگ جہاز پر آئیں۔ اس کے ساتھ جہاز کے آدھے ملاح مل گئے تھے۔ ان کی مدد سے وہ راستے میں ہی بغاوت کر کے جہاز پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

سوداگر نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ گمنام جزیرے پر پہنچ کر ہمیں کچھ ملاحوں کو جہاز پر رکھنا ہوگا اور کچھ کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ اس لیے اور لوگوں کا بھرتی کرنا ضروری ہے"۔

کپتان جھٹ بولا:

"حضور! آپ خواہ مخواہ خرچہ کیوں بڑھا رہے ہیں؟ مجھے ایک کپتان ہونے کی وجہ سے بڑا تجربہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ اتنے ہی ملاح ہمارے لیے کافی ہیں"۔

سوداگر کپتان کی باتوں میں آ گیا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی"۔

کپتان کی جان میں جان آئی۔ کیوں کہ وہ زیادہ آدمیوں کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اگر نئے لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں تو وہ سوداگر کے وفادار ہوتے۔ سوداگر جہاز کا مالک تھا۔ کپتان کے لیے انہیں بغاوت پر اکسانا ایک مشکل تھا۔ اتنی جلدی وہ نئے لوگوں کو بغاوت کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

رات کو جب سوداگر وغیرہ جہاز پر سو گئے تو کپتان نے اپنے خاص آدمیوں کو کمرے میں بلایا اور کہا:

"وقت قریب آ رہا ہے۔ صبح جہاز اپنے سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ تم لوگوں کو پوری طرح تیار رہنا ہوگا۔ ایک دن کے سفر کے بعد یعنی کل رات کو ہمیں بغاوت کر دینی ہوگی۔ سب سے پہلے ہمیں جہاز

کے مالک سوداگر کو قتل کر کے اس کا سر بادبان کے رسے کے ساتھ لٹکا
دینا ہوگا۔ پھر ایک ایک کر کے سوداگر پر سارے کے سارے ساتھی
ٹوٹ پڑنا۔ بس پھر ہم جہاز پر قبضہ کر لیں گے اور خود جا کر خزانے کو
تلاش کریں گے۔ میرے پاس خزانے کا نقشہ موجود ہے۔ ہم خزانہ
حاصل کر کے رہیں گے۔ میں اپنے وعدے کو ایک بار پھر دہراتا ہوں
کہ خزانے کو جہاز پر لانے کے بعد اس کی ساری دولت آپس میں
برابر تقسیم کر دی جائے گی''۔

آدھی رات کے بعد یہ لوگ عرشے پر جا کر سو گئے۔

دوسرے دن منہ اندھیرے ہی جہاز کا لنگر اٹھا لیا گیا۔ بادبان کھول
دیے گئے اور موافق ہوا میں جہاز نے بندرگاہ سے کھسکنا شروع کر
دیا۔ سوداگر اور کپتان جہاز کے عرشے پر کھڑے بندرگاہ اور شہر کی
عمارتوں کو دور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ بندرگاہ کا ساحل نظروں سے

ہٹنے لگا اور آخر ساحل سمندر میں گم ہو گیا۔ اس وقت جہاز پانی کی
لہروں پر گمنام جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

غاروالا مقبرہ

اب ہم آپ کو واپس جاپان کے شہر کیوشو لیے چلتے ہیں۔

کیوشو میں ناگ اور ماریا شہزادے کے ٹیلے والے شاہی محل میں رہ رہے ہیں۔ ماریا ناگ کے کمرے میں ہی ایک طرف قالین پر پڑ کر سو جاتی ہے۔ اس کا سوائے ناگ کے کسی کو علم نہیں۔ کیونکہ وہ غائب ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ بادشاہ اور شہزادہ پوری طرح تندرست ہو گئے ہیں۔ وزیر اور سپہ سالار نے بادشاہ اور شہزادے کو ہلاک کرنے کی

جو سازش کی تھی وہ ناکام ہو گئی ہے۔ اس نے جس جس کو ناگ کے قتل کرنے کے لیے بھیجا وہ خود قتل ہو گیا اور واپس نہ آیا۔ آخری بار جلاد گیا۔ اس کی بھی لاش کمرے میں پڑی ہوئی ملی۔ ناگ نے بادشاہ کو بتایا کہ جلاد اسے مارنے آیا تھا کہ سانپ نے اسے ڈس دیا۔ یہ اس نے نہیں بتایا کہ وہ خود سانپ بن گیا تھا۔

وزیر اور سپہ سالار بڑے پریشان تھے کہ آخر ناگ میں ایسی کون سی بات ہے کہ اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ ایک بات کی انہیں خوشی تھی کہ انہوں نے عنبر کو ختم کر دیا تھا۔ وہ تو کم از کم یہی سمجھ رہے تھے کہ عنبر دریا کی لہروں میں بہتا لاش بن گیا ہو گا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ دور سمندر پار ایک شہر میں رخسانہ کے ساتھ حویلی میں رہ رہا ہے۔ اب انہیں جو پریشانی تھی وہ ناگ کے بارے میں تھی۔ وہ جلدی سے جلدی ناگ کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ناگ ہی ان کے

راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھی۔وزیر نے جھنجھلا کر کہا:

''اس کم بخت کو جانے کیسے زہر کا پتہ چل جاتا ہے۔اس کی جگہ شاہی محل کا کوئی اور حکیم ہوتا تو اسے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کھانے میں زہر ملا لیا گیا ہے۔مگر مصیبت یہ ہے کہ ناگ چیچ کے ساتھ لگے ہوئے معمولی سے معمولی زہر کی تہہ کو بھی سونگھ کر جانچ لیتا ہے۔اس کی وجہ سے ہم بادشاہ اور شہزادے کو زہر نہیں دے سکتے''۔

سپہ سالار بولا:

''میں تو کہتا ہوں کہ بادشاہ اور شہزادے کو ہی قتل کر دیا جائے۔روز روز کی جھک جھک ہی ختم ہو جائے گی''۔

وزیر نے عقلمندی سے سر ہلا کر کہا:

''خبردار سپہ سالار! ایسا کبھی مت سوچنا۔ایسی خطرناک حرکت کبھی نہ کر بیٹھنا۔ساری رعایا اور پوری فوج شہزادے اور بادشاہ سے محبت

کرتی ہے۔انہیں پتہ چل گیا کہ بادشاہ اور شہزادے کو قتل کر کے ہم تخت پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ ہمیں کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ کام سوائے ہمارے اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے''۔

سپہ سالار نے کہا:

''لیکن آخر ہم کب تک انتظار کرتے رہیں گے؟ نہ بادشاہ مرتا ہے نہ شہزادہ مرتا ہے اور نہ ناگ مرتا ہے۔آخر ہم کریں تو کیا کریں؟ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟''

وزیر نے سوچ کر کہا:

''ناگ ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔اسے راستے سے ہٹائے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔اسے کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگانا ہوگا''۔

''یہ تو ہم دونوں جانتے ہیں۔مگر سوال یہ ہے کہ اس کم بخت کو

راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟ ایسی کون سی ترکیب کی جائے کہ ناگ ختم ہو جائے؟"

سپہ سالار کی اس بات پر وزیر نے کہا:

"آ گئی ترکیب"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ترکیب میرے ذہن میں آ گئی ہے"۔

سپہ سالار نے پوچھا:

"آخر مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ کیا ترکیب ہے؟"

وزیر نے عیاری سے مسکرا کر کہا:

"یہ تجویز مجھے اس سانپ نے سجھائی ہے جس نے جالا دکو ڈسا تھا۔ ہم ناگ کے کمرے میں زہریلا سانپ چھوڑ دیں گے۔ وہ ایک ایسا سانپ ہوگا۔ جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ یہ سانپ رات کے وقت ناگ کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے گا۔ صبح کو ناگ مردہ ہوگا"۔

سپہ سالار خوش ہو گیا:

"وزیر! میں تمہارے دماغ کی داد دیتا ہوں۔ سچ مچ یہ ایک اچھی ترکیب ہے۔ سانپ کے ڈسنے سے ناگ نہیں بچ سکے گا۔ مگر ایسا سانپ ہمیں کہاں ملے گا؟"

وزیر نے مونچھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا:

"اس کا سب بندوبست میں کر لوں گا۔ میں آج ہی اس ملک کا سب سے زہریلا سانپ حاصل کرتا ہوں۔ میرے ایک دوست کو زہریلے سانپ پالنے کا شوق ہے۔ میں اس کے گھر سے سانپ منگوا کر ناگ کے کمرے میں چھوڑ دوں گا۔ اس دفعہ وہ ہمارے پنجے سے بچ کر نہ جا سکے گا"۔

وزیر نے اسی روز اپنے خاص دوست کو بلایا اور بلا کر کہا کہ وہ اسے

ملک کا سب سے زیادہ زہریلا سانپ لا کر دے۔ وہ ایسا زہریلا سانپ ہو کہ جس کے ڈسنے سے انسان ایک ہی پل کے اندر اندر مر جائے۔ وزیر کے دوست نے کہا:

”سرکار عالی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں کل ہی آپ کی خدمت میں ایسا سانپ پیش کروں گا۔ جس کی پھنکار اگر آدمی کے چہرے پر پڑ جائے تو وہاں چھالے پڑ جائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آدمی گر کر دم توڑ دے“۔

وزیر نے خوش ہو کر کہا:

”شاباش! مجھے ایسا ہی سانپ چاہیے تھا۔ کل اسے لا کر میرے حضور پیش کرو اور سنو! خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ تم نے مجھے سانپ لا کر دیا ہے“۔

اس نے سر جھکا کر کہا۔

”سرکار! آپ اطمینان رکھیے۔ میں مر بھی جاؤں گا مگر کسی کو یہ نہ بتاؤں گا کہ حضور کو میں نے سانپ لا کر دیا ہے“۔

”ٹھیک ہے! اب تم جا سکتے ہو۔ میں صبح تمہارا انتظار کروں گا“۔

دوسرے دن وہ آدمی سانپ لے کر وزیر کے حضور پیش ہوا۔ وزیر اسے لے کر خاص کمرے میں آ گیا۔ یہاں سپیرے نے اپنے لباس کے اندر سے مٹی کا ایک کٹورا نکالا اور اسے وزیر کے سامنے رکھ کر بولا:

”حضور یہ وہ زہریلا سانپ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اجازت ہو تو میں کھول کر آپ کو دکھا دوں“۔

”ہاں ہاں تمہیں اجازت ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تمہارے ہاتھ سے سانپ گرنے نہ پائے“۔

”حضور، ساری عمر زہریلے سانپوں کو کھلاتے گزری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ سانپ میرے ہاتھ میں آ کر گر پڑے“۔

سپیرے نے کٹورے کے منہ پر لپٹا ہوا کپڑا الٹا دیا۔ اندر سے سانپ نے پھنکار ماری۔ سپیرے نے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹا اور اندر ہاتھ ڈال کر سانپ کو گردن سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ یہ سانپ سبزی مائل سیاہ تھا۔ اس کے سارے جسم پر زرد رنگ کے داغ تھے۔ اگرچہ وہ چھوٹا تھا مگر اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وزیر سانپ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا، کہنے لگا:

"مجھے یقین ہے یہ وہ کام ضرور کرے گا۔ جسے میرے بہادر سے بہادر وفادار ساتھی بھی نہیں کر سکے"۔

سپیرے نے سر کو جھکا کر کہا:

"جناب عالی' آپ حکم کریں تو یہ سانپ ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کا کام تمام کر سکتا ہے۔ اس کے اندر بہت زہر ہے۔ اس کے زہر سے انسان کا خون سیاہ ہو کر رگوں میں پتھر بن کر جم جاتا ہے اور

انسان ستون کی طرح نیچے گر کر مر جاتا ہے"۔

"ٹھیک ہے اسے میرے پاس چھوڑ دو"۔

سپیرا سانپ کو وزیر کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ وزیر نے سانپ کا کٹورا ایک صندوق میں بند کر کے اسے تالا لگا دیا۔ اس کے بعد اس نے سپہ سالار کو بلا کر اسے بتایا کہ سانپ حاصل کر لیا گیا ہے۔

"بس اب اس سانپ کو ناگ کے کمرے میں چھوڑنا باقی ہے"۔

سپہ سالار نے پوچھا:

اور یہ کام کون کرے گا؟ آدمی ایسا ہونا چاہیے جو وفادار اور اعتباری ہو"۔

وزیر کے چہرے پر کمینہ مسکراہٹ آ گئی۔ کہنے لگا:

"گھبراؤ نہیں سپہ سالار، جو آدمی ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑ کر آئے گا وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اور جب وہ زندہ نہیں رہے گا تو

یہ راز' راز نہیں رہے گا۔ کسی کو پتہ نہ چل سکے گا کہ ناگ کی موت میں ہمارا ہاتھ ہے''۔

سپہ سالار نے کہا:

''ٹھیک ہے، میں یہی تسلی کرنا چاہتا تھا۔'' پھر جھنجھلا کر بولا:

''کم بخت یہ ساری مصیبت صرف اس لیے پیدا ہو رہی ہے کہ رعایا بادشاہ اور شہزادے کو پیار کرتی ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں کب کا ان دونوں کا کام تمام کر چکا ہوتا''۔

سازش کا جال پوری طرح سے پھیلا دیا گیا۔ یہ جال ناگ کے ارد گرد کانٹے دار کی طرح بچھایا جا رہا تھا۔ اور ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ناگ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ وزیر نے شاہی باورچی کو بلا کر کہا کہ اسے ناگ کے کمرے میں سانپ چھوڑنا ہو گا۔ شاہی باورچی پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وزیر اور سپہ سالار شاہی

خاندان کے خلاف ہیں۔ وہ خود ان کے کہنے پر بادشاہ اور شہزادے کو زہر دیتا رہا تھا۔ باورچی کا دل یہ کام کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر وزیر کے سامنے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ادب سے جھک کر کہا:

''حضور عالی' میں حاضر ہوں۔ آپ حکم کریں تو میں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں پیش کر دوں گا''۔

وزیر نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا:

''اس وقت ہمیں تمہارے سر کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کبھی ضرورت ہوئی تو تمہیں کاٹنے کی زحمت نہیں دیں گے۔ بلکہ خود کاٹ لیں گے۔ اس وقت تمہیں صرف یہ خدمت دی جاتی ہے کہ اس کٹورے میں پڑے زہریلے سانپ کو آدھی رات کے وقت ناگ کے کمرے میں کسی طرح جا کر چھوڑ آؤ''۔

شاہی باروچی بولا:

''بہت بہتر حضور''۔

وزیر نے کہا۔

''اب تم جا سکتے ہو''

باورچی نے سانپ کا کٹورا اپنے لباس کے اندر چھپایا اور وہاں سے چلا گیا۔

جس رات ناگ کے کمرے میں سانپ پھینکنے کی سازش ہوئی اسی رات کو ماریا نے سوچا کہ وہ ٹیلے کی ترائی والے غار کے اندر جو مقبرہ ہے وہاں جائے اور جا کر دیکھے کہ وہ کون سی ملکہ کی روح ہے جو اپنے بادشاہ کے قتل کے دکھ میں چاندنی راتوں کو بین کرتی ہے۔ اس رات آسمان پر چاند شام ہی سے نکل کر چمکنے لگا تھا۔ چاند کی روشنی میں شہر کے اردگرد کے جنگل اور باغ صاف جھلکنے لگے تھے۔ ماریا نے ناگ کو بالکل نہ بتایا کہ وہ غار والے مقبرے کی طرف جا رہی ہے۔ رات کو کھانا آیا تو ناگ نے دروازہ بند کر کے ماریا کو ساتھ بٹھایا اور دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانے پر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ماریا نے مقبرے والی ملکہ کا ذکر تک نہ کیا۔ ناگ کو ہرگز ہرگز نہ بتایا کہ وہ آج رات مقبرے میں جائے گی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد شاہی باورچی نے ناگ کے کمرے میں جا کر سانپ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے سیاہ لباس پہنا۔ سانپ والے کٹورے کو جیب میں چھپایا اور آدھی رات کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ بھی کھانے سے فارغ ہو کر شہزادے کے پاس اسے دوائی کھلانے چلا گیا۔ شہزادے کی صحت بڑی اچھی ہو گئی تھی۔ اب وہ بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھتا تھا۔ کہاں تو وہ بستر سے نہیں اٹھ سکتا تھا اور اب گھوڑ سواری بھی کرتا تھا۔ جنگل میں جا کر شیر اور ہرن کا شکار بھی کرتا تھا۔

شہزادے سے اجازت لے کر ناگ بادشاہ کے محل میں آ گیا بادشاہ کھانے کے بعد سونے کے پیالے میں قہوہ پی رہا تھا۔ سارے کمرے میں قہوے کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ نے بادشاہ کی خدمت میں جھک کر سلام عرض کیا اور عنبر کی دی ہوئی دوائی کھلائی بادشاہ نے دوائی کھا کر ایک آہ بھری اور کہا:

''کاش' اس وقت ہمارا پیارا اور ہمدرد بیٹا عنبر بھی یہاں ہوتا، ہمیں تندرست دیکھ کر اسے کس قدر خوشی ہوتی۔ خدا جانے بیچارہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا''۔

ناگ نے کہا:

''بادشاہ سلامت' عنبر میرا پیارا بھائی ہے۔ اس کے بچھڑ جانے کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔ کوئی رات ایسی نہیں آتی۔ جب میں اسے خواب میں نہیں دیکھتا' اس کی یاد میرے دل سے ایک پل کے لیے

بھی الگ نہیں ہوتی۔ لیکن قسمت میں بھائی بھائی کی جدائی لکھی تھی۔ خدا کرے کہ وہ جہاں بھی ہو خوش ہو اور جلد ہم سے پھر آن ملے''۔

بادشاہ نے کہا:

''ہمیں سب سے زیادہ فکر اور غم اس بات کا ہے کہ کہیں دشمنوں نے اسے ہلاک نہ کر دیا ہو''۔

ناگ کے منہ سے نکل گیا:

''وہ مر نہیں سکتا''

بادشاہ نے تعجب سے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''کیا مطلب؟''

ناگ کو اب محسوس ہوا کہ اس کے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھے۔ پھر بھی وہ جلدی سے بولا:

''میرا مطلب یہ تھا بادشاہ سلامت کہ میرا دل کہتا ہے، میرا بھائی مر

نہیں سکتا۔ وہ ضرور زندہ ہوگا۔ وہ بہادر ہے اور اکیلا سات دشمنوں پر بھاری ہے۔ وہ ضرور زندہ ہے اور ہم سے آن ملے گا“۔

بادشاہ سلامت نے کہا:

”خدا تمہاری دعا قبول کرے“۔

ناگ بادشاہ کے محل سے کچھ اداس سا ہو کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا دل اپنے پیارے بھائی عنبر کی یاد سے بوجھل ہو رہا تھا۔ کمرے میں آ کر ناگ نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر وہ عنبر کی یاد میں کھویا رہا اور اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس کمرے میں ماریا بھی اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اس نے ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”ماریا بہن، آج بادشاہ سلامت بھی عنبر بھائی کو بہت یاد کر رہے تھے“۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ نے دوسری بار یہی جملہ دہرایا:

پھر بھی کوئی جواب نہ آیا تو اس نے چونک کر پوچھا:

”ماریا، تم کمرے میں ہو یا نہیں؟“

کمرے میں ماریا نہیں تھی۔ ناگ نے اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اندر سے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ کیونکہ ماریا کنڈی کھلوائے بغیر اندر نہیں آ سکتی تھی۔ ناگ نے خیال کیا کہ شاید وہ کھانا کھانے کے بعد باہر باغ میں چہل قدمی کرنے گئی ہوگی۔ وہ پلنگ پر بیٹھا رہا اور رات گزرتی گئی۔ ماریا نہ آئی۔ ناگ پریشان ہو کر اٹھا اور باہر باغ میں جا کر ماریا کو دھیمی آواز میں پکارنے لگا۔ مگر کسی جگہ سے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ جواب کہاں سے آتا؟ ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔

ماریا اس وقت ٹیلے والے پرانے مقبرے کی طرف جا رہی تھی۔

راستہ ظاہر ہو گیا۔ چاندنی سیڑھیوں میں تھوڑی دور جا کر بجھ گئی تھی۔ ماریا نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا اور خدا کا نام لے کر نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔

سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ کیا دیکھتی ہے کہ پتھر کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی ایک طرف کو جا رہی تھی۔ ماریا اس پگ ڈنڈی پر چل پڑی۔ اب جوں جوں وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اندھیرا زیادہ ہو رہا تھا۔ ماریا کے ایک طرف غار کی دیوار تھی اور دوسری جانب ایک گہری کھائی تھی۔ اس کھائی کے اندر اندھیرا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کھائی کے اندر کیا ہے۔ پگ ڈنڈی ایک جانب آگے جا کر مڑ گئی۔ ماریا بھی ساتھ ہی گھوم گئی۔ اندھیرے میں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی۔ اس نے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔

اب اسے آگے کچھ ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ بڑی حیران

ہوئی کہ اس تاریک مقبرے کے اندر روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟ آگے چل کر پگ ڈنڈی ایک چوڑے سے آنگن میں آ کر ختم ہو گئی۔ یہاں اوپر غار کی چھت اونچی تھی اور چھت کے بیچ میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس میں ہلکی ہلکی چاند کی روشنی غار میں آ رہی تھی۔ ماریا آنگن کے ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی اور دھیمی روشنی میں دیکھنے لگی کہ وہاں کیا کچھ ہے؟ سامنے کی طرف دیوار سے ذرا ہٹ کر زمین پر ایک پتھروں کا چبوترہ تھا۔ جس کے اوپر دو قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی بادشاہ اور اس کی ملکہ کی قبریں ہیں۔ بادشاہ کو کوئی سو برس پہلے اس کے وزیر نے قتل کروا دیا تھا اور ملکہ کو دریا میں پھنکوا دیا تھا اور اب ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں بین کرتی تھی۔

ماریا کچھ دیر خاموش کھڑی قبروں کو دیکھتی رہی۔

وہاں بڑی گہری خاموشی تھی۔ کسی پتے کے کھڑکنے کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ماریا کو یوں لگا جیسے دور سے کسی کے پتھروں پر سلیپر گھسیٹ کر چلنے کی آواز آ رہی ہے۔ اس نے آواز پر کان لگا دیے۔ سچ مچ یہ کسی ایسے انسان کے قدموں کی آواز تھی جو بڑی آہستہ آہستہ پتھروں کے فرش پر جوتی کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔ ماریا کو کچھ خوف سا لگنے لگا تھا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور یاد دلایا کہ وہ ایک بہادر اور دلیر لڑکی ہے۔ اس نے بڑی بڑی ڈراؤنی جگہوں پر اندھیری راتیں بسر کی ہیں اور وہ کئی جن بھوتوں کو مل چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ملکہ کی روح ہو سکتی ہے۔ پھر کیا ہوا وہ اس سے ملاقات کرے گی۔ اس کا انتظار کرے گی۔ اور دیکھے گی کہ وہ کس طرح بین کرتی ہے۔

اب ایک عجیب بات ہوئی۔ ماریا کو کھڑے کھڑے یوں لگا جیسے اس کے دونوں پاؤں بھاری ہو رہے ہیں۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ اس نے اپنا ایک پاؤں ہلانا چاہا تو اسے دقت ہوئی۔ دوسرے پاؤں کو اٹھانا چاہا تو وہ بھی اسے بہت بھاری لگا۔ جیسے کسی نے اس کے پاؤں کے ساتھ وزنی پتھر باندھ دیے ہوں۔ ماریا گھبرا گئی۔ پتھروں پر سلیپر کی گھسٹنے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ ماریا نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے دونوں پاؤں پتھر ہو گئے ہیں اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود وہاں سے ایک انچ بھی اپنے پاؤں آگے نہ کر سکی۔ اب تو اسے پسینہ آ گیا۔ اس پر آنے والی روح کا جو کوئی بھی وہ شے تھی اس کا جادو چل چکا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اس کا باقی جسم بھی بے حس ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے اپنے بازو ہلانے چاہے تو وہ بھی نہ ہلے۔ ہاتھ ہلانے چاہے تو ہاتھ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ گردن کو ہلانا چاہا تو گردن بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماریا نے زور سے چیخ مارنی چاہی، لیکن اس کے حلق سے آواز

بھی نہ نکلی۔ ماریا ساری کی ساری پتھر بن چکی تھی۔

وہ پتھر کا بت بن کر غار کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ نہ وہ بول سکتی تھی اور نہ ہی اپنی جگہ سے ہل سکتی تھی۔ ماریا پر آنے والی طاقت ور روح کا جادو چل چکا تھا۔ ماریا اگرچہ غائب تھی وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن آخر وہ گوشت پوست کی ایک عام عورت تھی۔ اس کے پاس عنبر کی طرح کوئی خفیہ طاقت نہیں تھی۔ وہ بے بس اور مجبور ہو کر کھڑی تھی۔ وہ پتھر بن گئی تھی اور اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں کا نور بالکل نہیں پتھرایا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ رہی تھی اسے بیان نہیں کر سکتی تھی۔

یہ بڑی قابل رحم حالت تھی۔

قدموں کی آواز قریب آ کر رک گئی۔ ماریا کے کان بھی پتھر کے نہیں ہوئے تھے۔ وہ آواز سن رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ سن رہی تھی۔

لیکن نہ ہل سکتی تھی اور نہ بول سکتی تھی۔ یہ ایک عجیب حالت اس پر طاری کر دی گئی تھی۔ وہ کسی غیبی روح کے قابو میں آ چکی تھی۔ اس نے سنا کہ غار کے اندر کسی نے گہرا لمبا سانس لیا ہے۔ ماریا نے پوچھنا چاہا کہ کون ہے اور اس پر جادو کس لیے کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ تو بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ماریا نے اپنے آپ کو حالات اور قسمت کے حوالے کر دیا اور پتھر کا بت بن کر اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ ذرا ہل کر زمین پر گری تو ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

اب اسے ایک آواز سنائی دی۔ گہری' پر اسرار' سرگوشی ایسی اور نفرت بھری آواز۔۔۔ اس آواز کے لہجے میں بدلہ لینے کا انداز تھا۔

"سنو ماریا' مجھے معلوم ہے۔ تم ایک غائب لڑکی ہو۔ تمہیں سوائے میرے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم میرے قابو میں ہو۔ میں اس

مقبرے کا بھوت ہوں۔ یہاں ایک ملکہ کی روح کی آواز چاندنی راتوں میں آ کر بین کیا کرتی تھی۔ اس ملکہ کی قبر اپنے بادشاہ کے ساتھ ہے۔میں نے اس روح کو بھی قابو میں کرلیا ہے۔ مجھے اس ملکہ کی روح سے نفرت تھی۔ میں اس کی روح سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے رونے اور بین کرنے کی آواز سن کر میرا ایک بچہ بھی مر گیا۔ میں نے ملکہ کی روح کو ایک مرتبان میں بند کر کے زمین کے اندر دفن کر دیا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ملکہ کی روح سے ملاقات کرنے جو بھی آئے گا۔ میں اسے بھی پتھر بنا کر اپنے قابو میں کر کے یہاں مقبرے کے اندر ہی دفن کر دوں گا۔تم جس وقت مقبرے کے اندر داخل ہوئی تھیں تو مجھے پتہ چل گیا تھا۔ میں نے تم کو پتھر بنا کر اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اب تم ساری زندگی پتھر بن کر رہو گی۔ تمہیں کوئی یہاں سے باہر نہیں نکال سکے گا۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم

کسی کو نظر نہیں آتی ہو۔ میں تمہیں اٹھا کر ایک تابوت کے اندر ڈال دوں گا۔اس پتھر کے تابوت میں ایک ہزار برس پہلے چین کی ایک شہزادی کی لاش رکھی گئی تھی جو اب مٹی بن کر اڑ گئی ہے۔تابوت خالی ہو گیا۔ اس تابوت میں تمہیں لٹا دیا جائے گا۔ ہر آدمی کو تابوت خالی نظر آئے گا۔ کیونکہ تم غائب عورت ہو۔لیکن اصل میں تم پتھر بن کر اس کے اندر لیٹی ہو گی۔ تمہیں اب کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہو گی۔تم اس وقت تک زندہ رہو گی جب تک یہ دنیا قائم ہے۔تب سب کچھ سنو گی۔ سب کچھ دیکھو گی۔ لیکن نہ بول سکو گی، نہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکو گی۔ نہ تابوت میں سے اٹھ کر باہر نکل سکو گی۔تمہاری زندگی قیامت کے دن تک اس تابوت کے اندر پڑے ہوئے غیبی پتھر کے بت کی طرح گزر جائے گی۔ آؤ میں تمہیں تابوت میں لٹا دوں"۔

ماریا نے بھوت کی ساری باتیں سن تھیں اس کا ایک ایک لفظ اس کی

سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جس وقت اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ مقبرے کے اندر جا کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرے۔ وہ ایک خوفناک مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس غار کے اندر اب اس کی ساری زندگی گزرنے والی تھی۔ اتنے میں ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے اپنے لمبے لمبے طاقتور بازوؤں میں اٹھا لیا ہو۔ وہ ایک پتھر کے بت کی طرح بھوت کے بازوؤں پر پڑی تھی۔ بھوت اسے اٹھا کر آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹتا واپس غار میں لے گیا۔ غار میں آگے جا کر اپنے آپ دیوار میں ایک جگہ سے پتھر ہٹے اور دروازہ نمودار ہو گیا۔

بھوت نے دیوار کے پتھر اپنے ہاتھ سے ہٹائے تھے۔ وہ ماریا کو بازوؤں پر لکڑی کی گیلی کی طرح ڈالے دیوار میں سے گزر کر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس کوٹھڑی کی دیواریں پتھریلی

تھیں۔ اور چھت نیچی تھی۔ ماریا نے نیم اندھیرے میں دیکھا کہ کوٹھڑی کے درمیان میں پتھر کا ایک کھلا تابوت پڑا تھا۔ بھوت کے ہاتھوں نے اسے تابوت کے اندر لٹا دیا۔ ماریا پتھر کے ستون کی طرح اپنے آپ تابوت کے اندر لیٹ گئی۔ اس نے ہلنے جلنے اور نکل کر بھاگنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ مگر وہ اپنی انگلی کیا آنکھوں کی پلکیں تک نہیں ہلا سکتی تھی۔ بھوت نے اسی پراسرار نفرت بھری آواز میں کہا:

"اب تم قیامت تک اس کوٹھڑی کے تابوت کے اندر پڑی رہو گی۔ کوئی آ کر تمہاری خبر نہیں لے گا۔ کوئی آ کر تمہیں نہیں پوچھے گا کہ تم کس حال میں ہو۔ تم کسی سے بات نہ کر سکو گی۔ تم کسی کی آواز نہ سن سکو گی۔ یہ ہے سزا میرے غار کے اندر داخل ہو کر ملکہ کی روح سے ملاقات کرنے اور باتیں کرنے کی۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں"۔

فضا میں ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز گونجی اور دیوار کے پتھر دوبارہ
اپنی جگہ پر چن دیے گئے۔ ماریا سمجھ گئی کہ بھوت چلا گیا ہے۔ وہ
تابوت کے اندر ایک اکڑی ہوئی لاش کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ پتھر کی
سرد اور بے جان لاش کی طرح، جس کے صرف کان اور آنکھیں زندہ
تھیں باقی وہ ساری کی ساری مردہ تھی۔ ٹھنڈا بے حس پتھر تھی۔ ماریا کو
اپنی حالت پر ترس آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اس بند
کوٹھڑی میں ماریا کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ بے چاری خود
بھی اپنے آنسو نہیں پونچھ سکتی تھی۔ اسے اپنے دونوں بھائیوں عنبر اور
ناگ کا خیال آ گیا۔ عنبر بے چارہ پہلے ہی گم تھا۔ اب ماریا بھی گم ہو گئی
تھی۔ ناگ کس قدر پریشان ہو گا۔ پہلے بھائی گم ہو گی۔ اب بہن گم
ہو گئی۔ خدا جانے اس پر کیا بیتے گی؟ ماریا کا دماغ پوری طرح کام کر
رہا تھا۔ یہ باتیں سوچ کر اس کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو بہنے لگے۔
آنسو اس کی آنکھوں میں سے نکل کر سفید موتی بننے اور لڑھک
لڑھک کر تابوت کے اندر پتھر کی چھوٹی چھوٹی گولیوں کی طرح گر
پڑتے۔ ماریا کو آنسوؤں کے موتیوں کے گرنے کی آواز بھی سنائی
دے رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی کہ اس کے آنسو بھی
پتھروں کے چھوٹے چھوٹے موتی بن کر گر رہے ہیں۔

کوٹھڑی کے اندر گہری خاموشی چھائی تھی۔ کسی قسم کی آواز نہیں آ
رہی تھی۔

ہاں اندر خدا جانے کہاں سے اور کدھر سے ہلکی ہلکی روشنی اور ہلکی
ہلکی ہوا ضرور آ رہی تھی۔ ماریا اگر گردن ہلا سکتی تو ضرور گردن ہلا کر
دیکھتی کہ یہ روشنی اور ہوا کدھر سے آ رہی ہے۔ مگر وہ تو سیدھی سپاٹ
پتھر کا بت بنے تابوت کے اندر لیٹی تھی اور اس کی آنکھیں اوپر چھت کو
تک رہی تھیں۔ صرف وہ اپنی آنکھوں کے اندر ڈیلوں کو گھما کر تھوڑا

تھوڑا دائیں بائیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں پتھر کی دیوار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ماریا نے جب یہ سوچا کہ اب خدا جانے کب تک اسے ایک بے جان پتھر کی لاش بن کر اس تابوت کے اندر رہنا ہوگا تو اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

رات گزر گئی۔ مگر ماریا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ ناگ نے رات کو کئی بار اٹھ کر ماریا کو آواز دی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید وہ آدھی رات کو کسی وقت دروازہ کھول کر اندر آ گئی ہو اور چپکے سے اپنے بستر پر لیٹ گئی ہو۔ لیکن ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی:

صبح اٹھ کر سب سے پہلے ناگ کی نظریں قالین پر اس جگہ گئیں جہاں ماریا سویا کرتی تھی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ نے قریب جا کر قالین کو اچھی طرح سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا اور آوازیں بھی دیں۔

"ماریا بہن، ماریا بہن"

مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

آدھی رات کو جب ناگ اٹھ کر باہر آیا تھا تو شاہی باورچی سیاہ لباس پہنے سانپ کا کٹورا لیے ذرا پرے کھڑا تھا۔ ناگ باغ میں جا کر ماریا کو تلاش کرنے کا خیال کیا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے میں واپس آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ باورچی کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ وہ کمرے کے اندر سانپ کو چھوڑے۔ باورچی واپس چلا گیا اس نے وزیر کو بتایا کہ رات اسے موقع نہیں مل سکا۔ اس لیے وہ آج رات کو شروع میں ہی سانپ کو اندر پھینکنے کی کوشش کرے گا۔

وزیر نے شاہی باورچی کو بہت ڈانٹا کہ وہ کیوں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"اگر آج رات بھی تم نے ناگ کے کمرے میں سانپ نہ چھوڑا تو

میں یہی سانپ تم پر چھوڑ دوں گا"۔

باورچی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"سرکار غلطی ہوگئی۔ آج رات چاہے میری جان چلی جائے لیکن سانپ ناگ کے کمرے میں چھوڑ کر رہوں گا"۔

وزیر چلا گیا۔ باورچی رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر دن چڑھا تو ناگ نے ماریا کی تلاش شروع کر دی۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ ماریا کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ صرف آواز دے سکتا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اور سب کے سامنے آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ نہیں تو لوگ پوچھتے کہ بھائی تم کس کو پکار رہے ہو؟ ناگ' بادشاہ اور شہزادے کو بھی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بہن ماریا گم ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ بادشاہ اور شہزادے کو اس نے اپنی بہن ماریا کے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے سے کبھی ذکر تک نہ کیا تھا کہ اس

کی ایک بہن ماریا بھی ہے جو غائب حالت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔

ناگ سارا دن محل کے آس پاس کے باغوں، کھیتوں، ویرانوں اور جنگل میں ماریا کو تلاش کرتا پھرا۔ جگہ جگہ درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے آوازیں دیں:

"ماریا بہن' ماریا بہن' ماریا بہن تم کہاں ہو؟"

لیکن کسی جگہ سے بھی ماریا کی آواز سنائی نہ دی اور آواز سنائی بھی کہاں سے دیتی۔ وہ تو بے چاری غار والے پوشیدہ مقبرے کی ایک اندھیری کوٹھڑی کے تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہوئی تھی۔ ناگ کا دل غم سے بھر آیا۔

پہلے ہی اسے عنبر بھائی کے بچھڑنے کا صدمہ تھا۔ اب اس کی بہن ماریا بھی اس سے جدا ہوگئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر ناگ بستر پر گر

پڑا اور اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کی یاد میں بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے کچھ دیر رونے کے بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھا کر سوچنے لگا کہ رونے دھونے کی بجائے اسے ہمت سے کام لے کر ماریا کی تلاش شروع کرنی چاہیے۔ ضرور اسے کسی طاقت ور چیز نے اغوا کر لیا ہوگا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ صبح اٹھ کر وہ جنگل اور پہاڑوں میں ایک بار پھر ماریا کو ڈھونڈنے نکلے گا۔

رات کو جلد ہی ناگ شمع بجھا کر سو گیا۔

سانپ دیوتا

ناگ نے دروازہ کھلا رکھا تھا کہ شاید رات کو ماریا آ جائے۔

ناگ گہری نیند سویا ہوا تھا کہ شاہی باورچی آدھی رات کو دروازے کے باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کٹورا تھا جس میں زہریلا سانپ قید تھا۔ شاہی باورچی نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ باورچی اسی موقع کی تاک میں تھا۔ وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے وقت بالکل نہ

ضائع کیا۔ جلدی سے ناگ کے پلنگ کے پاس جا کر کٹورے کے
اوپر سے کپڑا ہٹایا اور سانپ کو پلنگ کے اوپر پھینک کر جلدی سے
کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور تیز تیز قدم
اٹھاتا باورچی خانے میں جا کر سو گیا۔ اسے یقین تھا کہ سانپ نے
اسے ڈس لیا ہوگا اور وہ مر چکا ہوگا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ صبح جب وزیر کو
معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن مر چکا ہے تو اسے انعام ملے گا۔

ادھر کا حال بھی سنیں۔ باورچی جس وقت سانپ کا کٹورا ناگ کے
پلنگ پر الٹ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا، تو سانپ کٹورے سے نکلنے
کے فوراً بعد ہوشیار ہو گیا۔ وہ ایک بڑا ہی زہریلا سانپ تھا اور انسان کا
تو جانی دشمن تھا۔ آدمی کی بو پا کر وہ فوراً اس کی طرف لپکتا تھا اور اسے
ڈس دیتا تھا۔ ناگ کے پلنگ پر سانپ نے ہوشیار ہو کر اپنا پھن پھیلا
دیا۔ ناگ بے خبر ہو کر، بے سدھ ہو کر سو رہا تھا۔ سانپ نے پھن اٹھا

کر دو تین زور زور سے پھنکاریں ماریں تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی بہت
بڑا سانپ، کوئی سانپوں کا بادشاہ اس کے قریب ہی ہے۔ سانپ کا
پھن وہیں کا وہیں رک گیا۔

سانپ کو فضا میں سانپوں کے بادشاہ کی خاص بو محسوس ہو رہی تھی۔
اس کے سارے بدن پر خوف سا طاری ہو گیا۔ کیونکہ سانپوں کے
بادشاہ کے سامنے دنیا کے سارے سانپ ادب سے جھک جاتے ہیں
اور اپنا پھن سمیٹ لیتے ہیں۔ سانپوں کے بادشاہ کو سامنے پا کر
سانپ کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ پھنکار سکے، اپنا پھن پھیلا سکے یا اپنی
گردن بھی اٹھا کر دیکھ سکے۔ یہی حال اس سانپ کا تھا۔ اسے یوں
لگ رہا تھا جیسے سانپوں کا سرتاج اور بادشاہ سانپ یعنی ناگ دیوتا
کہیں اس کے قریب ہی ہے۔ سانپ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔
اس کا پھن اپنے آپ سمٹنا شروع ہو گیا۔

ٹھیک اس وقت ناگ نے کروٹ بدلی۔ سانپ اچھل کر ناگ کے منہ کے پاس آ گیا۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ ناگ نے سانپ کو اور سانپ نے ناگ کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ناگ کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہی سانپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ سانپوں کے بادشاہ' ناگ دیوتا اس کے سامنے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سانپ نے پلنگ سے نیچے اتر کر فرش پر ناگ کے آگے گردن جھکا دی۔ ناگ نے کہا:

"تمہیں میرے پلنگ پر آنے کی جرات کیسے ہوئی؟"

سانپ نے اپنی خاص آواز میں جسے صرف ناگ ہی سمجھ سکتا تھا، کہا:

"اے ناگ دیوتا، اے سانپوں کے سردار بادشاہ' مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخش دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اگر مجھے پہلے خبر نہ ہوتی کہ مجھے ناگ دیوتا کے کمرے میں پھینک دیا گیا ہے تو میں کبھی یہ ہمت، یہ جرات نہ کرتا، میری کیا مجال کہ میں آپ کے پلنگ کے قریب بھی آ سکوں"۔

ناگ نے آگے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔

"بول اب تیری کیا سزا ہو؟ کیا تیری گردن مروڑ دوں؟"

سانپ کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ اتنا زہریلا سانپ ہونے کے باوجود وہ ناگ کے ہاتھوں میں ریشم کے دھاگے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا:

"اے سانپوں کے سردار بادشاہ، خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھ سے جو کچھ بھی ہوا غلطی سی ہوا۔ مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخشی کر دو۔ میں ساری عمر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا"۔

ناگ نے کہا:

''چلو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن اب یہ بتا کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟''

سانپ نے جواب دیا:

''اے سب سے بڑے سانپ دیوتا، مجھے اس شاہی محل کا باورچی آپ کے کمرے میں پھینک گیا ہے تا کہ میں آپ کو ڈس کر ہلاک کروں۔ کاش' مجھے پہلے خبر ہوتی کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ پھر تو میں سب سے پہلے اسی باورچی کو ہلاک کرتا''۔

ناگ کہنے لگا:

''اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس شخص نے میری جان لینے کی کوشش کی ہے، اسے تم جا کر ختم کر دو۔ تا کہ میرا دشمن دوبارہ دشمنی نہ کر سکے''۔

سانپ نے زمین پر سر لگا کر کہا:

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر اے عظیم سانپوں کے بادشاہ' میں ابھی آپ کے دشمن سے آپ کے ساتھ دشمنی کا بدلہ لیتا ہوں''۔

ناگ نے ڈانٹ کر کہا:

''جاؤ دفع ہو جاؤ۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے' اور خبردار آئندہ مجھے اپنی منحوس شکل نہ دکھانا''۔

''جو حکم عظیم دیوتا''۔

اور سانپ بھیگی بلی کی طرح چپکے سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی سانپ نے اپنا پھن پھیلا کر ہلکی سی پھنکار ماری اور باورچی کے کپڑوں کی بو پر شاہی باورچی خانے کی طرف رینگنے لگا۔ سانپ کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہوتی ہے اس کے لیے شاہی باورچی کے کپڑوں کی بو ابھی تک سارے محل میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کی بو

کے ساتھ ساتھ راہداری میں سے رینگتا ہوا شاہی باورچی خانے کے دروازے پر آ گیا۔ اندر باورچی گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔ اور اس کے کپڑوں کی تیز بو آ رہی تھی۔

سانپ چپکے سے دروازے کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ باورچی خانے میں شمع جل رہی ہے۔ جس کی دھیمی روشنی میں موٹا تازہ باورچی اپنی توند پر ہاتھ رکھے سو رہا ہے۔ اور زور زور سے خراٹے لے رہا ہے یہی وہ شخص تھا جو ناگ دیوتا کا دشمن تھا اور جس نے سانپ کا ناگ دیوتا کو ہلاک کرانے کے لیے اس کے کمرے میں پھینکا تھا اور ناگ دیوتا کے سامنے ذلیل کروایا تھا۔ اگر ناگ دیوتا کے دل میں رحم نہ آتا تو اس نے سانپ کو ضرور بہ ضرور ہلاک کر دینا تھا۔ سانپ کو باورچی پر سخت غصہ آ گیا۔ پھر اسے ناگ دیوتا کا حکم یاد آیا کہ دشمن کو ہرگز ہرگز معاف نہ کیا جائے۔

سانپ کمرے کے فرش پر سے ہوتا ہے باورچی کے قریب آ گیا۔ اس نے پھن پھیلایا اور باورچی کے منہ کے قریب لا کر اسے جھلانے لگا۔ پھر اس نے زور سے پھنکار ماری۔ پھنکار کی گرم اور زہریلی ہوا لگتے ہی باورچی چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ کیوں کہ گرم سانس نے اس کے چہرے کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ باورچی نے اپنے سامنے زہریلے سانپ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ وہ گھبرا کر بھاگنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے آناً فاناً اس کے پاؤں پر ڈس لیا۔

اس سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ موٹے باورچی کے خون میں جاتے ہی اس نے ایک دم سے سارے جسم کو پتھر کر دیا۔ باورچی چیخ مار کر فرش پر گرا۔ اس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ نوکر دوڑے اندر آئے۔ انہوں نے باورچی کو زمین پر مردہ پڑے ہوئے دیکھا اور ایک گہرا سبز

سانپ ان کی آنکھوں کے سامنے کمرے سے نکل کر باہر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کچھ نوکر سانپ کے پیچھے بھاگے۔ لیکن سانپ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ خدا جانے وہ کہاں گم ہو گیا تھا؟

سارے محل میں شور مچ گیا کہ شاہی باورچی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور وہ مر گیا ہے وزیر کو صبح معلوم ہوا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ جس سانپ نے ناگ کو ڈستا تھا اس نے باورچی کو الٹا کیسے ڈس لیا۔ اس سوال کا جواب صرف باورچی ہی دے سکتا تھا کہ کس طرح سانپ اسے تلاش کرتا ہوا باورچی خانے میں آیا اور اسے ڈس کر چلا گیا۔ مگر وہ تو مر چکا تھا۔ بہر حال وزیر کی ایک اور سازش ناکام ہو گئی تھی۔ اس نے سپہ سالار سے مشورہ کیا تو اس نے کہا:

"تمہاری ہر ترکیب اسی طرح ناکام ہوتی رہے گی، اب تم خاموش ہو جاؤ۔ ناگ کو میں خود جا کر قتل کروں گا"۔

وزیر نے گردن ٹیڑھی کر کے سپہ سالار کو دیکھا:

"سپہ سالار اس وقت میدان میں آتا ہے جب ساری فوج جواب دے جاتی ہے۔"

سپہ سالار بولا:

"فوج جواب دے گئی ہے۔ ہمارا چلایا ہوا کوئی بھی تیر نشانے پر نہیں بیٹھا۔ اب سپہ سالار کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھے۔ لیکن اگر تم یہ کام خود کرنا چاہتے ہو تو میں اپنی جگہ خالی کر دیتا ہوں"۔

وزیر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں، میں یہ گستاخی کیسے کر سکتا ہوں؟ یہ کام تم خود اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ مجھے خوشی ہو گی کہ دشمن تمہارے وار سے گرا ہے۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ یہ حملہ تو کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا حملہ بڑا کاری ہو گا اور ہمارا دشمن اب کے بچ نہیں سکے

گا"۔

سپہ سالار نے بڑے فخر سے کہا:

"میرا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ دشمن نے ہمیشہ مجھ سے شکست کھائی ہے"۔ سپہ سالار اور وزیر نے مل کر یہ سازش تیار کر لی کہ ناگ کو سپہ سالار خود موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اس کے بعد بادشاہ اور شہزادے کو دوبارہ زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے اور تخت پر قبضہ کر کے وزیر خود بادشاہ بن بیٹھے اور سپہ سالار کو وزیر بنا دیا جائے۔ سپہ سالار اپنے بیٹے کو سپہ سالار کی جگہ پر لا کر بٹھا دے۔ یہ ایک عجیب طرح کی کھچڑی تھی جو اندر ہی اندر پکائی جا رہی تھی۔

ادھر ناگ اس سازش سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ بے چارہ اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر کی تلاش میں تھا۔ ماریا کا اس سے بہت ہی غم تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ماریا۔ اگرچہ دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اگر وہ

ایک بار مصیبت میں پھنس جائے تو اکیلی نکل نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ عنبر تو مر نہیں سکتا تھا۔ مگر ماریا مر سکتی تھی۔ اسے تلوار یا تیر کا زخم بھی لگ سکتا تھا۔ وہ کنوئیں میں گر کر شدید زخمی بھی ہو سکتی تھی۔ ناگ کو بس یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ عنبر تو اپنی حفاظت کر سکتا ہے مگر ماریا نہیں کر سکتی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے اندر اور شہر کے باہر، جنگل، ویرانے اور ٹیلوں میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ وہ ماریا کو آوازیں دے کر بھی بلاتا۔ مگر ماریا کی آواز اسے کہیں سے بھی سنائی نہ دیتی۔ ناگ کی پریشانی کا احساس بادشاہ اور شہزادے کو بھی ہو گیا تھا۔ ایک روز جب ناگ بادشاہ اور شہزادے کو دوائی کھلانے گیا تو بادشاہ نے پوچھا:

"کیا بات ہے ناگ بیٹے‘ تم کچھ دنوں سے پریشان سے دکھائی دیتے ہو۔ ایسی کون سی بات ہے جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے ہر دکھ کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ آخر

ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ ہمارے پاس بھلا کس چیز کی کمی ہے''۔

شہزادے نے بھی کہا:

''ہاں ناگ بھائی، میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ پچھلے کچھ دنوں سے تم کچھ اداس اداس نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے ہمیں کھول کر بیان کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے''۔

ناگ انہیں کیسے بتاتا کہ وہ اپنی ایک ایسی بہن کی تلاش میں ہے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے بات کو چھپاتے ہوئے کہا:

''ایسی کوئی بات نہیں بادشاہ سلامت۔ خدا آپ کا اقبال بلند کرے۔ میں بالکل خوش ہوں۔ بس کچھ دنوں سے سر میں درد رہنے لگا ہے''۔

شہزادے نے کہا:

''تم تو دوسروں کا علاج کرتے ہو۔ پھر تمہیں درد کیوں رہنے لگا؟''

ناگ مسکرانے لگا:

''شہزادہ سلامت' انسان آخر ایک کمزور شے ہے۔ بیماری زندگی میں آتی رہتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں دو ایک روز میں اچھا ہو جاؤں گا''۔

بادشاہ کہنے لگا:

''ہم جانتے ہیں کہ تمہیں اپنے بھائی عنبر کے گم ہو جانے کا بھی بڑا دکھ ہے۔ عنبر کا ہمیں بھی صدمہ ہے ہم نے اس کی تلاش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عنبر کو دشمن اغوا کر کے کسی دوسرے ملک میں سمندر پار لے گئے ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو وہ ہم سے ضرور آن ملے گا''۔

ناگ نے کہا:

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے حضور' عنبر میرے دل پر گہرا غم چھوڑ گیا ہے۔ ویسے مجھے امید ہے کہ وہ ایک دن ضرور مل جائے گا"۔

"ہم سے جو ہو سکے گا ہم اب بھی اس کی خاطر کرنے کو تیار ہیں۔ تم اگر چاہو تو ہم اپنے خاص آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں بھی اس کی تلاش میں بھیج سکتے ہیں"۔

ناگ نے کہا:

"اس کی کوئی ضرورت نہیں بادشاہ سلامت عنبر جہاں کہیں بھی ہو گا وہ واپس آنے کے لیے پوری کوشش کر رہا ہو گا اور وہ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اس کا مجھے پورا یقین ہے"۔

اس کے بعد بادشاہ اور شہزادہ وزیر وغیرہ کی سازشوں کی باتیں کرنے لگے۔ بادشاہ نے بتایا کہ وزیر کی ہر چال ناکام ہو گئی ہے اور اب وہ بالکل سیدھا ہو گیا ہے۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے رعایات کے

ساتھ پیش آتا ہے اور بادشاہ کا ہر حکم جھک کر بجا لاتا ہے۔ ناگ نے کہا:

"ہم نے اس کی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ بادشاہ سلامت وزیر کی ہم نے ایک بھی نہیں چلنے دی۔ اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ آپ کا ہر حکم سر جھکا کر تسلیم کرے۔

ناگ بادشاہ کے شاہی کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اس نے کھانا کھانے کے بعد اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دوپہر کو آرام کرنے کے لیے سو گیا۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک باغ میں بڑا خوبصورت تالاب ہے۔ جس کی سطح پر زرد رنگ کے کنول کے پھول کھلے ہیں۔ درختوں پر پرندے بول رہے ہیں۔ کنارے ایک سنگ مرمر کی بارہ دری ہے۔ جس میں ماریا پتھر کا بت بنی کھڑی ہے۔ ناگ اس کے پاس جا کر ہاتھ لگاتا ہے تو وہ ٹھنڈا بے جان پتھر ہے۔

مگر اس کی آنکھوں میں وہی چمک ہے۔ وہ دیکھ رہی ہے مگر بول نہیں سکتی۔ ناگ اسے آواز دیتا ہے۔ ماریا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے مگر وہ سوائے ناگ کو بے بسی سے تکنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ ناگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ماریا کو زور زور سے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اچانک ماریا کے جسم میں حرکت ہوئی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے کہا:

''ناگ بھائی، میں پتھر ہوں۔ میں پتھر ہوں''۔

اور ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے۔ کیا ماریا سچ مچ کسی جگہ پتھر بنا دی گئی ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس مقام پر ہے؟ کیا اس کا خواب جھوٹا تھا؟ نہیں اس کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کبھی اسے زندگی میں کوئی جھوٹا خواب نہیں آیا تھا۔ ناگ پریشان ہو گیا کہ ماریا کس جگہ پتھر بنی ہوئی ہے؟ اسے اتنا معلوم تھا کہ ماریا پر جادو چل جاتا ہے کیونکہ وہ کمزور خیال کی لڑکی ہے۔ اگر اس کا دل مضبوط ہوتا اور خیال طاقت ور ہوتا تو جادو نہ چل سکتا۔

پراسرار جنگلی

ماریا پتھر کا بہت بنی تہہ خانے والے مقبرے کے تابوت میں پڑی ہے۔

ناگ اس کی تلاش میں ہے۔ سپہ سالار ناگ کو خود قتل کرنے کے لیے میدان میں آ گیا ہے۔ اب ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں اور اس سمندری جہاز کا بھی پتہ کرتے ہیں جو خزانے کی تلاش میں گمنام جزیرے کی طرف جا رہا ہے۔ عنبر کو یاماہا بندرگاہ کے شہر میں رخسانہ کے

ماموں کی حویلی میں جاپان واپس جانے والے جہاز کی راہ دیکھ رہا ہے۔ خزانے کی تلاش میں نکلا ہوا سوداگر کا جہاز کھلے سمندر میں گمنام جزیرے کی طرف سفر کر رہا ہے۔

موسم بڑا خوشگوار ہے۔ جہاز اپنے بادبان کھولے سمندر کی پرسکون لہروں پر چلا جا رہا تھا۔ جہاز کو بندرگاہ سے روانہ ہوئے دوسرا دن ہے۔ آج کا دن بڑا خطرناک دن ہے۔ کیونکہ یہی وہ دن ہے جس کی رات کو جہاز کے کپتان نے بغاوت کر کے سوداگر اور اس کے وفادار ملاحوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ کپتان نے اپنے سارے آدمیوں کو بتا دیا ہے کہ آدھی رات کو بغاوت کے شعلے بلند کر دیے جائیں گے اور سوداگر اور اس کے وفادار ساتھیوں کو سوتے میں ہی ختم کر دیا جائے گا۔

کپتان نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس رات سوداگر کے

ساتھیوں کو آرام کرنے کی چھٹی دے دی تھی اور اپنے آدمیوں کو کام پر لگایا تھا تا کہ سوداگر کے ساتھی سو جائیں اور انہیں سوتے میں ہلاک کر دے۔ کپتان کے سارے آدمی ہوشیار اور چوکس ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سوداگر نے کچھ دیر آرام کیا۔ شام ہوئی تو وہ اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر کپتان کے پاس آ کھڑا ہوا اور باتیں کرنے لگا۔

کپتان سوداگر کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کل وہ اس شخص کے قتل کے بعد اس جہاز کا مالک ہوگا۔ جہاز پر اس کی حکمرانی ہو گی اور سارے کے سارے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ خزانہ پانے کے بعد اپنے آدمیوں میں اسے تقسیم نہیں کرے گا بلکہ صرف چند ایک وفادار ساتھیوں کو تھوڑا بہت حصہ دے گا اور باقی ساری دولت اپنے پاس ہی رکھے گا۔

سوداگر نے کہا:

”تمہارا کیا خیال ہے ابھی ہمیں جزیرے پر پہنچنے میں کتنے دن لگیں گے؟“

کپتان نے کہا:

”نقشے کے مطابق ہم اس وقت جزیرے سے کوئی دو دن اور دو راتوں کے فاصلے پر ہیں۔ اگر ہم اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے اور موسم خوش گوار رہا تو دو دن کے بعد ہم اس جزیرے میں پہنچ جائیں گے جہاں ہیرے جواہرات کا خزانہ ہماری راہ دیکھ رہا ہے“۔

سوداگر نے خوش ہو کر کہا:

”کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم خزانہ حاصل کر سکیں گے؟“

کپتان بولا:

”کیوں نہیں میرے آقا‘ نقشہ صاف صاف مجھے بتا رہا ہے کہ

جزیرے میں ایک خاص جگہ پر بحری ڈاکوؤں کا بیش قیمت اور انمول
خزانہ دفن ہے۔ پھر بھلا ہمیں ناکامی کا منہ کیسے دیکھنا پڑے گا؟"

سوداگر کی باچھیں کھل گئیں:

"خزانہ مل جائے تو پھر میں اس قسم کے کئی جہاز بنواؤں گا۔ پھر
سارے سمندری میں میرے ہی تجارتی جہاز چلا کریں گے۔ دنیا کا
امیر ترین انسان ہوں گا"۔

سوداگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ کپتان نے بھی قہقہہ لگایا اور بولا:

"میرے آقا' اتنی دولت پانے کے بعد ہم غلاموں کو نہ بھلا دیجیے
گا۔ ہم ہمیشہ آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں"۔

سوداگر نے کپتان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"گھبراؤ نہیں کپتان' تم میرے دوست بھی ہو۔ میں تمہیں پورے
جہازوں کے ایک تجارتی بیڑے کا کمانڈر بنا دوں گا۔ تم ہمیشہ میرے
ساتھ رہو گے۔ میں تمہیں اپنے سے کبھی جدا نہیں کروں گا"۔

کپتان نے کہا:

"بس حضور' ہمیں آپ سے یہی ایک امید ہے کہ آپ ہمیں ہمیشہ
اپنے قدموں میں رکھیں گے"۔

سوداگر بولا:

"ضرور ضرور"۔

سوداگر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور کپتان دل میں سوچ رہا تھا
کہ میاں سوداگر' کن خیالوں میں گھوم رہے ہو۔ ذرا رات ہو لینے دو
پھر تمہیں آٹے دال کا بھاؤ بتا دیں گے۔ تم تو اب آدھی رات تک کے
مہمان ہو۔ سوداگر اپنے انجام سے بے خبر تھا۔ اس نے کہا:

"میاں کپتان' خزانے کو ہم جہاز کے خفیہ تہہ خانے میں رکھیں گے
اور کسی بھی ملاح کو اس کے بارے میں نہیں بتائیں گے کہ وہ جہاز میں

کس جگہ پر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تم تو خوب جانتے ہو یہ لوگ بڑے لالچی ہوتے ہیں اور تھوڑی سی دولت کے لالچ میں دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی جرات کی تو تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بڑا ظالم انسان ہوں۔ میں ان سبھوں سے نپٹ لوں گا‘‘۔

پھر اس نے ایک طرف نگاہ سکیڑ کر کہا:

’کپتان‘ آج مجھے جہاز کے عرشے پر بہت کم لوگ نظر آ رہے ہیں۔ باقی ملاح کہاں چلے گئے ہیں؟‘‘

کپتان نے کہا:

’’میں نے آدھے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے تاکہ وہ آرام کر سکیں۔ کیونکہ جزیرے پر پہنچ کر انہیں بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ملاح سمندر کی زندگی سے اکتا نہ جائیں‘‘۔

سوداگر نے کپتان کو شاباش دیتے ہوئے کہا:

’’تم بہت تجربہ کار اور عقل مند کپتان ہو۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لے رہے ہو۔ جزیرے پر پہنچتے ہی ان لوگوں کو بڑا سخت کام کرنا پڑے گا۔ یہ باری باری جتنا بھی آرام کر لیں کم ہے‘‘۔

پھر سوداگر نے جمائی لے کر کہا:

’’اچھا بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح ملاقات ہو گی۔

کپتان نے کہا:

’’شب بخیر میرے آقا صبح ملیں گے‘‘۔

کپتان نے دل میں کہا۔ صبح تم کہاں ملو گے؟ صبح تو تمہاری لاش سمندر میں مچھلیاں کھا رہی ہوں گی۔ سوداگر اپنے انجام سے بے خبر کیبن میں جا کر بے سدھ ہو کر سو گیا۔ سوداگر کے دوسرے وفادار

ساتھی بھی عرشے پر سمندر کی ٹھنڈی ہوا میں لیٹ گئے تھے۔ انہیں چھٹی مل جانے کی بڑی خوشی تھی اور وہ کپتان کو دعائیں دے رہے تھے کہ اس نے انہیں آرام کرنے کا موقع دیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کپتان تو ان کے ہمیشہ کے لیے آرام کرنے کا بندوبست کر رہا ہے۔

سمندر میں سورج غروب ہو گیا۔

شام کی روشنی اندھیرے میں بدل گئی۔ سمندر پر رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ کالی کالی لہریں ڈراؤنی لگنے لگیں۔ سوداگر کے آدمی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اگر وہ اس رات غافل ہو کر نہ سوتے تو کبھی موت کے گھاٹ نہ اترتے اور پھر شاید کپتان بھی جہاز پر قبضہ نہ کرسکتا۔ لیکن وہ غافل ہو گئے تھے گنہ گار آدمی غافل ہو جاتا ہے۔ وہ سارے آدمی ڈاکو اور قاتل تھے۔ انہوں نے بے شمار

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر کے گناہ کیا تھا۔ قدرت آج ان کو ان کے گناہ کا بدلہ دے رہی تھی۔ یہی حال سوداگر کا تھا۔ وہ ساری زندگی غلاموں پر ظلم کرتا آیا تھا اس نے ہزاروں لوگوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا بچوں کو یتیم کیا تھا۔ ماؤں سے ان کے بیٹے چھینے تھے۔ قدرت اسے بھی اس کے گناہوں کی سزا دے رہی تھی۔ اب وہ دولت کے لالچ میں ویران جزیرے کی طرف جا رہا تھا۔ اگر وہ اب بھی دولت کا لالچ نہ کرتا اور تجارت کرنے کے لیے آگے روانہ ہو جاتا تو بچ سکتا تھا۔ مگر اس نے لالچ کیا کہ خزانہ حاصل کر لوں اور کسی کو نہ دوں۔ سب کو قتل کر کے خود خزانے کا مالک بن جاؤں۔ اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا تھا؟

جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو کپتان چپکے سے اپنے کیبن سے باہر

نکل آیا۔ بغاوت کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے تلوار کھینچ لی اور اپنے آدمیوں کو جہاز کے ایک طرف لے کر سرگوشی میں کہا:

''وقت آ گیا ہے۔ سارا کام ہوشیاری سے کرنا۔ میں سوداگر کو جا کر کیبن میں ختم کرتا ہوں۔ تم ایک ایک کر کے فوراً اس کے آدمیوں کو ہلاک کر دینا۔ خبردار کوئی بچ نہ سکے۔ اگر کوئی بچ بھی گیا تو اسے سمندر میں دھکا دے دینا''۔

کپتان نے اشارہ کیا اور سوداگر کے کیبن کی طرف آ گیا۔

کپتان کے آدمیوں نے تلواریں سونت لیں اور سوداگر کے سوئے ہوئے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے سوتے میں ہی قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ کم بخت اس طریقے سے قتل کرتے چلے جا رہے تھے کہ کیا مجال جو کسی کی آواز تک بھی نکل سکے۔ تلوار گردن پر رکھ کر اوپر سے جسم کا پورا بوجھ ڈال دیتے۔ گردن گنڈیری کی طرح کٹ کر دور جا گرتی۔ ایک ملاح کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے زور سے چیخ ماردی۔ باقی لوگ بھی بیدار ہو گئے۔ اب وہاں گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ مگر سوداگر کے آدمی سو کر اٹھتے تھے اور ان پر سستی چھائی ہوئی تھی۔ جب کہ کپتان کے آدمی تازہ دم تھے اور پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے سوداگر کے آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

اوپر شور اور چیخ و پکار کی آوازوں نے سوداگر کو جگا دیا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ اس کے سر پر کپتان تلوار سونتے کھڑا تھا۔ سوداگر نے گرج کر کہا:

''نمک حرام، تمہاری یہ مجال؟''

کپتان نے اس سے پہلے کہ سوداگر تلوار پکڑے ایک زوردار ہاتھ مارا اور سوداگر کا ایک بازو کٹ کر فرش پر گر پڑا۔ سوداگر بھی کسی زمانے میں بحری ڈاکو رہ چکا تھا۔ اس نے حوصلہ نہ ہارا بلکہ ایک ہی ہاتھ سے

تلوار چلانے لگا۔ لیکن اس کا ایک ہاتھ زیادہ دیر تک کپتان کے دو ہاتھوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ پھر خون بہہ جانے سے سوداگر پر کمزوری بھی چھا گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ کپتان حملے پر حملے کر رہا تھا۔ سوداگر اس کا ہر وار بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گیا اور گر پڑا۔ کپتان اس کے گرنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

سوداگر کے گرتے ہی کپتان نے پوری کی پوری تلوار سوداگر کے سینے میں گھونپ دی۔ سوداگر کے ہونٹوں سے ایک آخری چیخ بلند ہوئی اور وہ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ کپتان اسے کیبن میں ہی چھوڑ کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں بھی میدان اب صاف تھا۔ کپتان کے ساتھیوں نے سوداگر کے تمام ساتھیوں کو ختم کر کے لاشیں سمندر میں پھینک دی تھیں۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا:

”شاباش میرے دوستوں، ہم نے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔ جہاز کے ظالم مالک کی لاش اس کے کیبن میں پڑی ہے۔ اسے بھی اٹھا کر سمندر میں پھینک دو“۔

جہاز پر صبح ہونے سے پہلے پہلے کپتان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ سوداگر کی لاش کو کیبن سے گھسیٹ کر عرشے پر لایا گیا اور پھر ملاحوں نے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ کپتان نے اونچی آواز میں اعلان کیا کہ آج سے جہاز کے تمام لوگ آزاد ہیں اور اگر خزانہ مل گیا تو اسے سارے ملاحوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس اعلان پر ملاحوں نے خوشی سے کپتان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ لیکن حقیقت میں کپتان کے دل میں کھوٹ تھا۔ اس نے اپنے خاص ساتھی سے مل کر یہ کھچڑی پکا رکھی تھی کہ خزانہ حاصل کرتے ہی کسی نہ کسی طرح سارے ملاحوں کو جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہ جہاز لے کر اکیلے فرار ہو جائیں گے۔ یہ

ایک بڑی خطرناک سازش تھی۔ اگر ملاحوں کو اس کی خبر ہو جاتی تو وہ کپتان کی تکا بوٹی کر دیتے۔ لیکن وہ بے خبر تھے۔

سورج نکلا تو جہاز کھلے سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

دو دن اور دو راتیں کھلے سمندر میں بڑے سکون کے ساتھ سفر کرنے کے بعد جہاز کے ملاحوں کو دور گمنام جزیرے کی چٹانیں دکھائی دیں۔ انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے کہ زمین نظر آ گئی۔ کپتان نے نقشہ دیکھا۔ اس کے مطابق وہی گمنام جزیرہ تھا۔ جہاں خزانہ دفن تھا۔ شام کے وقت جہاز جزیرے کے ساحل کے ساتھ لنگر ڈال چکا تھا۔ جہاز پر شمعیں روشن ہو گئیں اور ملاح ساحل کی رات پر اتر کر ناچتے گاتے اور آگ جلا کر کھانا وغیرہ پکانے لگے۔

کپتان ایک خاص ساتھی کے ساتھ مشعل لے کر جزیرے میں تھوڑی دور تک گیا۔ یہاں چاروں طرف پتھروں کی نوکیلی چٹانیں

ابھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ رات کی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ آبادی کا نام ونشان تک نظر نہ آ رہا تھا۔ کپتان نے خیال ظاہر کیا کہ جزیرے پر کوئی جنگلی آباد نہیں ہیں کیونکہ یہ جزیرہ عام سمندری راستے سے بالکل ہٹ کر ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"کپتان! میں نے یہ سنا ہے کہ سمندروں میں جزیرہ خواہ کتنا ہی دور دراز کیوں نہ ہو۔ وہاں کوئی نہ کوئی وحشی قبیلہ ضرور آباد ہوتا ہے"۔

کپتان نے کہا:

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ایسے جزیرے جہاں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو وہاں جنگلی جانور بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے"۔

ساتھی بولا:

''یہ تو صبح ہی معلوم ہوگا۔ ویسے تمہیں یقین ہے کپتان کہ نقشے کے مطابق یہی وہ جزیرہ ہے جہاں خزانہ دفن ہے؟''

کپتان نے کہا:

''کیوں نہیں، نقشے میں اسی جزیرے کا نشان لگایا گیا ہے'' کپتان اوراس کے ساتھی واپس آ گئے۔

آدھی رات کے بعد سب لوگ سو گئے۔ کچھ جہاز کے عرشے پر لیٹ گئے اور کچھ جزیرے کے ساحل کی ٹھنڈی ریت پر بے سدھ ہو کر سو گئے۔ کپتان اپنے خاص ساتھی کے ساتھ جہاز کے عرشے پر سویا۔ اسے کسی بھی دشمن کا یہاں کوئی خوف نہیں تھا۔ جہاز کا سارے کا سارا عملہ اس کا وفادار عملہ تھا۔ اس لیے وہ بڑی بے فکری سے سو رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد جب یہ سارے لوگ سو رہے تھے۔ جزیرے کی چٹانوں کی طرف سے ایک جنگلی آدمی نمودار ہوا۔ اس کے جسم پر صرف گھاس پھونس کی ایک لنگوٹی تھی۔ سارے جسم پر رنگ ملا ہوا تھا۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑا ہوا تھا۔ چٹان کے پیچھے سے نکل وہ ساحل کی ریت پر سوئے ہوئے ملاحوں کے پاس آیا۔ اس نے جھک کر ایک ایک ملاح کو دیکھا۔ پھر تھوتھنی اوپر کر کے ہوا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ وہ جہاز کو سمندر میں کھڑے دیکھنے لگا۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس کا سیاہ بدن چمک رہا تھا۔ جنگلی آدمی نے کسی ملاح کو کچھ نہ کہا اور بڑی خاموشی سے جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

دن چڑھا تو ایک ایک کر کے سارے جہازی جاگ پڑے۔

کپتان نے چار ملاحوں کو ساتھ لیا۔ باقیوں کو جہاز کے اوپر رہنے کی ہدایت کی اور نقشہ جھولے میں ڈال کر خزانے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سورج نکل آیا تھا اور جزیرے پر دھوپ چمکنے لگی تھی۔ یہاں گرمی

اور حبس تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کے ساتھ چٹانوں میں سے ہو کر درختوں کے جھنڈوں میں آ گیا۔ درختوں پر ایک بھی پرندہ نہیں تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ صرف دور سمندروں کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا تھا۔ کپتان اپنے آدمیوں کو لے کر نقشے کے مطابق آگے چل پڑا۔

خزانہ مل گیا

کپتان خزانے کے نقشے کا بڑا ماہر تھا۔

وہ نقشے کے ایک ایک نشان اور ایک یک نقطے کو سمجھتا تھا۔ اسے راستہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ چلتے چلتے اسے دوپہر ہو گئی۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی۔ گرمی میں انہیں پسینہ آ رہا تھا۔ ایک جگہ درختوں کی چھاؤں دیکھ کر وہ رک گئے۔ اور آرام کرنے لگے۔

اس جزیرے پر ہر طرف چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ صرف سمندر کے

ساحل کے ساتھ ساتھ درختوں کی قطاریں تھیں اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ نقشے کے مطابق وہاں ایک جگہ چھوٹا سا جنگل تھا جس میں سے گزر کر انہیں ایک چٹیل میدان میں سے نکل کر ان دو درختوں کے درمیان پہنچنا تھا جو ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ بس انہی درختوں کے سائے میں جو چٹان تھی خزانہ اس چٹان کے اندر تھا۔

کپتان کا ساتھی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ باقی جہازی خنجر لگائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کپتان اگرچہ پہلے اس جزیرے پر کبھی نہیں آیا تھا۔ مگر اسے اس قسم کے بے آباد اور گمنام جزیروں میں اتر کر سفر کرنے کا بڑا تجربہ تھا۔ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر ان لوگوں نے تھوڑا بہت کھانا اور پھل کھائے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ کپتان کو بہت دور سے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیے۔ اس نے جھٹ نقشہ دیکھا اور ساتھی سے کہا:

"میرا خیال ہے' یہی وہ جنگل ہے جس کا اس نقشے میں نشان لگایا گیا ہے"۔

ساتھی نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

"ہاں کپتان' یہی وہ جنگل ہے۔ ہم خزانے کے قریب پہنچ چکے ہیں کپتان"۔

کپتان کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی کہنے لگا:

"میرا خیال کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ نقشہ سچا ہے۔ جھوٹا نہیں ہے۔ یہی وہ جنگل ہے جس کے پار چٹان کے اندر سونے اور جواہرات سے بھرا ہوا صندوق ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

ساتھی نے خوشامد کے ساتھ کہا:

"کپتان آپ ایک ماہر اور تجربہ کار کپتان ہیں۔ بحری ڈاکو اسی

لیے آپ سے تھر تھر کانپتے ہیں کہ آپ ان کے سارے رازوں کو جانتے ہیں۔ آپ ان کی ساری کمزوریوں سے واقف ہیں"۔

کپتان نے اپنے دوسرے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"سنو، ہم خزانے کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ تم لوگ میرے غلام ہو۔ مگر میں تمہیں خزانے میں پورا حصہ دوں گا۔ میں تمہارا حق نہیں ماروں گا نہیں۔ تمہاری محنت کا تمہیں پورا معاوضہ ملے گا۔ لیکن ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا۔ اگر کسی ملاح نے مجھ سے غداری کرنے کی کوشش کی تو اس جزیرے پر سب سے پہلے اسی کا خون بہے گا"۔

ملاحوں میں سے ایک اچھی عمر کے گٹھے ہوئے بدن والے جہازی نے کہا:

"کپتان، ہم کبھی آپ کے ساتھ غداری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور پھر اس وقت غداری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب ہمیں خزانے میں سے پورا پورا حصہ مل رہا ہے۔ ہم آپ کے وفادار ہیں اور وفادار رہیں گے"۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش، مجھے تم لوگوں سے یہی امید تھی۔ چلو اب اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیں۔ ہیرے جواہرات اور سونا ہماری راہ دیکھ رہا ہے"۔

جہازی اٹھے اور چٹانوں، خشک بنجر ٹیلوں اور چھوٹی چھوٹی ویران گھاٹیوں میں سے گزرتے ہوئے جنگل کی طرف چلنے لگے۔ سورج ٹھیک ان کے سروں کے اوپر چمک رہا تھا۔ گرمی کے مارے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ مگر دولت کا لالچ انہیں آگے چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ چلتے گئے۔ جنگل قریب آ گیا۔ یہ پام اور ناریل کے درختوں کا جنگل تھا۔ جس میں بڑے بڑے چوڑے پتوں اور کانٹوں والے گھنے

درخت بھی تھے۔ اس جنگل میں پہنچ کر انہیں کچھ سکون محسوس ہوا۔ یہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں اتنی گرمی نہیں تھی۔ اگر چہ حسب بڑا تھا مگر انہیں دھوپ سے ضرور نجات مل گئی تھی۔

وہ جنگل میں سے گزرتے چلے گئے۔ کپتان اور اس کا ساتھی بار بار نقشہ نکال کر دیکھ لیتے کہ وہ ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ نقشے کے مطابق وہ سیدھے راستے پر چل رہے تھے۔ کپتان اور ساتھی بیچ میں تھے۔ دو ملاح آگے آگے جا رہے تھے اور دو ملاح پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اچانک آگے چلنے والے ملاحوں میں سے ایک ملاح نے زور سے چیخ ماری۔ وہ دلدل میں گر پڑا۔ دوسرے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چیخ کی آواز سن کر کپتان، اس کا ساتھی اور دوسرے ملاح آگے کی طرف بھاگے۔ چوتھا ملاح دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اس کی کمر تک دلدل پہنچ گئی تھی اور آہستہ آہستہ

اسے اندر کو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ وہ چلا رہا تھا۔

"مجھے بچاؤ، کپتان مجھے بتاؤ"۔

کپتان نے رسہ کھول کر دلدل میں اس کی طرف پھینکا۔ دوسرے ملاحوں نے رسے کو درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا۔ رسہ مصیبت میں پھنسے ہوئے ملاح سے دور جا کر گرا۔ کپتان نے دوسری بار رسہ پھینکا تو ملاح سینے تک دلدل میں دھنس چکا تھا اور شور مچا رہا تھا دلدل باقاعدہ سانس لیتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس قدر تیزی سے ملاح کو اپنے اندر کھینچ رہی تھی جیسے وہ کئی روز سے بھوکی ہو۔

کپتان نے چیخ کر کہا:

"رسے کو پکڑنے کی کوشش کرو"۔

ملاح چیخا:

"آہ کپتان، میں اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتا۔ خدا کے لیے

مجھے بچالو۔ دلدل کے اندر کوئی میرے دونوں پاؤں پکڑ کر نیچے کھینچ رہا ہے۔ مجھے بچاؤ۔"

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"رسی کو پکڑو"۔

ملاحوں نے رسہ دوبارہ اس کی طرف پھینکا اب کے رسہ ملاح نے پکڑلیا۔ وہ رسے سے پاگلوں کی طرح لپٹ گیا۔ یہی رسہ اب اس کی زندگی کا سہارا تھا۔ ملاحوں نے رسے کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

انہیں تعجب ہوا کہ دلدل میں پھنسا ہوا ملاح اپنے جگہ سے بالکل حرکت نہیں کر رہا تھا۔ خدا جانے دلدل کے اندر سے اس کی ٹانگوں کو کس طاقت ور شے نے پکڑ لیا تھا کہ پانچ آدمیوں کی طاقت مل کر بھی اسے نہیں نکال سکی تھی۔

اس نے چیخ کر کہا

"کپتان، خدا کے لیے کچھ کرو۔ میں مر رہا ہوں"

کپتان نے ملاحوں کو جھڑک کر کہا:

"کم بختو پوری طاقت سے رسہ کھینچو"

ملاحوں نے کہا:

"کپتان ہم پورا زور لگا رہے ہیں مگر رسہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ اندر سے کسی نے اسے پکڑ لیا ہے"۔

کپتان بولا:

"بدبختو' دلدل میں کیا جانور ہو سکتا ہے بھلا۔ زور لگاؤ' اور زور لگاؤ۔ میں بھی زور لگاتا ہوں"۔

وہ سب مل کر زور لگاتے رہے اور بدنصیب ملاح دلدل کے اندر ہی اندر اترتا چلا گیا۔ پہلے سینہ اندر تھا پھر دونوں بازو اور کندھے بھی دلدل کے اندر چلے گئے۔ پھر گردن اور اس کے بعد اس کا کھلا ہوا منہ

بھی دلدل کے اندر گم ہو گیا۔ صرف دو آنکھیں رہ گئی۔ جو بے بسی کے
عالم میں اپنے ساتھیوں کو آخری بار تک رہی تھی اور ایک آخری چیخ
کے ساتھ اس کی آنکھیں اور سر بھی دلدل نے نگل لیا، کپتان' اس کا
ساتھی اور دوسرے ساتھی ملاح سب دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے، خدا
جانے یہ خوفناک دلدل کس قسم کی تھی کہ چار پانچ آدمی مل کر بھی ایک
ملاح کو دلدل میں سے باہر نہ کھینچ سکے۔

کپتان نے کہا:

"اس کی قسمت میں ہی یہ موت لکھی تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی مگر
کامیاب نہ ہو سکا۔ چلو اب آگے بڑھو۔ ہمیں شام سے پہلے پہلے
خزانے تک پہنچ جانا چاہیے اور رات ہونے تک واپس جہاز پر بھی
پہنچنا بہت ضروری ہے"۔

باقی ملاحوں کو اپنے ایک ساتھی کی اس طرح بھیانک موت کا بڑا

دکھ تھا۔ مگر وہ کپتان کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ کھل کر اپنے
دوست کی موت پر رو بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کپتان بڑا
ظالم شخص ہے اور اس نے جہاز پر سوداگر کو قتل کر کے قبضہ کر رکھا ہے۔

کپتان کے ساتھی نے کہا

"چلو ساتھیو' ہمیں ابھی بہت دور چلنا ہے"۔

سارے ملاح کپتان کے ساتھ چل پڑے۔

دوپہر کے بعد وہ جنگل میں سے باہر نکل آئے۔ اب ان کے
سامنے ایک چھوٹا سا چٹیل میدان تھا۔ کپتان نے ایک ٹیلے کے اوپر
چڑھ کر دیکھا۔ میدان کے دوسری جانب پام کے دو درخت ایک
دوسرے کی طرف اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ وہاں ایک کمان سی بن
گئی تھی۔ کپتان خوشی سے جھوم اٹھا۔ نقشے کے مطابق یہی وہ جگہ تھی
جس کے قریب ہی ایک چٹان کے اندر بحری ڈاکوؤں کا قیمتی خزانہ

دفن تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"دوست' ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ منزل ہمارے قدموں میں آ گئی ہے۔ بس اب تھوڑی ہی دیر میں ہم خزانے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ دیوتا ہم سب پر مہربان ہیں"۔

کپتان کے ساتھی نے کہا:

"نقشے نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا۔ ہر جگہ' ہر مقام' ہر جنگل اور درخت ہمیں نقشے کے مطابق ملتے چلے گئے ہیں"۔

کپتان ہنس کر بولا:

"اور اسی طرح اب ہمیں خزانہ بھی مل جائے گا"۔

ساتھی بولا:

"ضرور ضرور"

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ملاحوں اور کپتان کا یہ قافلہ کمان کی طرح جھکے ہوئے درختوں کے نیچے کھڑا تھا۔ یہ لوگ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔ ان کے بدن پسینے میں تر تھے اور سانس پھولا ہوا تھا۔ مگر انہیں بڑی خوشی تھی کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور خزانے کا نشان مل گیا۔

کپتان نے کہا:

"اب ہمیں وہ غار تلاش کرنی چاہیے جس کے اندر خزانہ دفن ہے۔ یہ غار ایک چٹان میں ہے۔ نقشے کے مطابق اس چٹان کے اوپر ایک پتھر کی شکل کسی بوڑھے کی طرح ہے جو زمین پر جھکا ہوا ہو"۔

درختوں کے آس پاس انہوں نے جھکی ہوئی کمر والے بوڑھے کی چٹان کی تلاش کرنی شروع کر دی۔ ایک ملاح نے خوش ہو کر نعرہ لگایا:

"مل گئی کپتان' چٹان مل گئی"۔

کپتان اور اس کا ساتھی بھاگ کر اس طرف گئے۔ سچ مچ ان کے

سامنے ایک چٹان کھڑی تھی جس کے اوپر ایک بڑا سا پتھر ٹکا ہوا تھا۔ اس پتھر کی کاٹ تراش قدرتی طور پر ایسی ہوئی تھی کہ صاف لگتا تھا کوئی بوڑھا آدمی کمر جھکائے کھڑا زمین پر کچھ تلاش کر رہا ہے۔

"بس اسی چٹان کے اندر کسی غار کا دروازہ ہے"۔

وہ لوگ بڑی بے تابی اور جوش کے ساتھ چٹان میں سے غار کا دروازہ ڈھونڈنے لگے۔ چٹان کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ کپتان اور اس ساتھی لوہے کی ہتھوڑی سے پتھروں کو بجا بجا کر آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک جگہ کپتان نے لوہے کی ہتھوڑی ماری تو اندر سے کھوکھلی آواز سنائی دی۔ کپتان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے دوسری بات ہتھوڑی پتھروں پر ماری۔ اندر سے پھر وہی کھوکھلے پن کی آواز آئی۔ کپتان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"دروازہ اسی جگہ ہے"۔

انہوں نے مل کر چٹان کے پتھروں کو توڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک سل نیچے گر پڑی۔ پتھر کی سل کا نیچے گرنا تھا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ ایک تنگ سا اندھیرا راستہ غار کے اندر جاتا تھا۔ کپتان نے اپنے ساتھی سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ تم لوگ باہر ہی ٹھہرو"۔

باقی ملاحوں کو غار کے منہ پر کھڑا کر کے کپتان اپنے ساتھی کے ہمراہ غار کے اندر اتر گیا۔ کچھ الٹی سیدھی سیڑھیوں کے بعد غار دائیں طرف کو گھوم گئی۔ غار کی چھت نیچی تھی اور انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ غار میں اندھیرا ابھی تھا۔ کپتان نے مشعل نکال کر جلائی اور ہاتھ میں لے کر آگے بڑھنے لگا۔ روشنی میں انہیں راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ذرا کھلی جگہ میں آ گئے۔ یہاں غار کی چھت بلند ہو گئی تھی اور سامنے ایک پتھروں کا چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔

کپتان نے مشعل دیوار میں اڑا کر نقشے کو دیکھا۔

''ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ نقشہ کہتا ہے کہ اسی چبوترے کے اندر خزانہ دفن کیا گیا ہے۔''

ساتھی نے کہا:

''ہمیں چبوترے کو توڑ دینا چاہیے''۔

''ٹھیک ہے''

ساتھ لائی ہوئی کدالوں سے کپتان اور اس کے ساتھی نے چبوترے کے پتھروں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے کدالیں چلاتے گئے۔ پتھروں نے اکھڑنا اور ٹوٹنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے پتھر نیچے گرتے گئے۔ آخر میں ایک بڑی سل آ گئی۔ کپتان اور اس کے ساتھی نے کدالیں اس کے نیچے پھنسا کر دو چار دفعہ زور لگایا تو سل اکھڑ کر نیچے گر پڑی۔ سل کے گرتے ہی اندر ایک درمیانے سائز کا ابھرے ہوئے ڈھکن والا صندوق نظر آیا۔ کپتان کی باچھیں کھل گئیں۔

''مل گیا خزانہ''۔

اس نے کدال مار کر صندوق کا تالا توڑا اور ڈھکن کھول کر الٹ دیا۔ صندوق میں سونے کے زیورات اور ہیرے موتی لال ستاروں کی طرح جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ کپتان تو خزانے کی دولت دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ ہیرے جواہرات میں ڈال دیے اور انہیں اٹھا اٹھا اپنے اوپر گرانے لگا۔

''ہیرے' لعل' یاقوت' سونے کے ہار۔۔ ہا ہا ہا' یہ سب میرے ہیں۔ یہ سب میرے ہیں۔ ہا ہا ہا''۔

کپتان کا ساتھی بڑی سنجیدگی سے کپتان کو اور خزانے کی دولت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ

میں ہے۔ کپتان نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

"کیوں، کیا تم اتنی دولت پا کر خوش نہیں ہوئے؟"

کپتان کا ساتھی جلدی سے مسکرا کر بولا:

"کیوں نہیں، کیوں نہیں کپتان! میں بہت خوش ہوں۔ لیکن ایک بات ہے"۔

کپتان نے کہا:

"وہ کیا بات ہے؟ کھول کر بیان کرو" اور اس نے کچھ جواہرات اپنی جیب میں ڈال لیے۔

اس کے ساتھی نے کہا:

"میں جب یہ سوچتا ہوں کہ اتنے قیمتی جواہرات اور سونے کے زیورات ہم احمق قسم کے جہازیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیں گے تو میرا دل اداس ہو جاتا ہے اور ساری خوشی پر پانی پھر جاتا ہے"۔

کپتان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا

"تم گدھے ہو جو یہ سوچتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کوئی بے وقوف ہوں جو اتنی دولت ان الو کے پٹھوں میں بانٹ دوں گا؟ ہرگز نہیں۔ میں نے اتنے سارے لوگوں کا خون اس لیے نہیں بہایا کہ خزانے تک آنے کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد اسے گدھوں میں بانٹ دوں۔ یہ صرف ہم دونوں میں تقسیم ہوگا اور بس"

ساتھی نے کہا:

"مگر کپتان، ہم نے جہازیوں سے وعدہ کیا تھا کہ خزانے کی دولت ان میں برابر بانٹی جائے گی"۔

"خاموش" کپتان نے ڈانٹ کر کہا: ایسا کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔ ان ملاحوں میں سے کوئی اس لائق نہیں ہے کہ اس دولت کا حصے دار بن سکے۔ وہ میرے غلام ہیں۔ میں انہیں جیسے کہوں گا انہیں

سانپ اور دیوتا

کرنا ہوگا"۔

ساتھی بولا

"اور اگر وہ نہ مانے پھر؟"

کپتان نے گرج کر کہا

"پھر میں ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دوں گا۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں ہو؟"

ساتھی کہنے لگا

"ہاں ہاں کپتان میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بالکل تمہارے ساتھ ہوں"۔

کپتان بولا

"بس پھر مجھے کس چیز کا ڈر ہے۔ آؤ اب اس خزانے کو اٹھا کر باہر لے چلیں"۔

انہوں نے صندوق کو بند کیا۔ کپتان نے صندوق اپنے ساتھی کے کندھے پر رکھا۔ اسے آگے آگے چلا کر خود اس کے پیچھے پیچھے چلتا غار سے باہر آ گیا۔ باہر جب ملاحوں نے خزانے کے صندوق کو دیکھا تو خوشی سے نعرہ لگایا:

"کپتان زندہ باد، خزانہ زندہ باد"۔

کپتان نے تلوار لہرا کر کہا

"کپتان کبھی ناکام نہیں لوٹا۔ ہم نے خزانہ پا لیا ہے۔ یہ خزانہ میرے آباؤ اجداد نے یہاں دفن کیا تھا۔ اس پر سب سے پہلا میرا حق ہے۔ میرے آباؤ اجداد بحری ڈاکو تھے۔ لیکن جیسا کہ میں نے وعدہ کیا ہے۔ میں اس خزانے کی ساری دولت سب لوگوں میں برابر تقسیم کر دوں گا۔ چلو اب اس صندوق کو اٹھاؤ اور واپس جہاز پر چلو۔ ایسا نہ ہو کہ راستے میں رات کا اندھیرا پھیل جائے"۔

ایک بڑے کٹے موٹے تازے جہازی نے کپتان کے ساتھی سے خزانے کا صندوق لے کر اپنے سر پر رکھا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ واپسی کا سفر خوشگوار تھا۔ ایک تو دھوپ ڈھل گئی تھی۔ گرمی کی شدت کم ہو گئی تھی اور دوسرے انہیں خزانہ ملنے کی خوشی تھی۔ جہازی گیت گاتے بڑے مزے سے چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے کپتان ننگی تلوار کندھے پر رکھے چلا آ رہا تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہاں دھوپ کے ڈھل جانے سے روشنی کم ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ دلدلوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے چلے گئے اور انہوں نے جنگل خیر خیریت سے پار کیا۔

اب ان کے سامنے چٹانوں، گھاٹیوں اور چھوٹے چھوٹے بنجر ٹیلوں کا سلسلہ تھا۔ وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ شام ہو رہی تھی۔ کہ وہ ان گھاٹیوں سے باہر نکل کر باہر آ گئے۔ انہیں وہ درخت سامنے نظر آ رہا تھے جن کے دوسری جانب سمندر میں جزیرے کے کنارے ان کا جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ کپتان نے خوشی سے چلا کر کہا کہ ساتھیو! منزل تھوڑی دور رہ گئی ہے۔ خزانہ تمہارا ہے۔ ملاح تیز تیز قدموں سے چلنے لگے اور پھر وہ درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر باہر آئے تو سامنے سمندر میں ان کا جہاز کھڑا تھا۔

جہاز میں آگ

خزانہ جہاز پر پہنچا دیا گیا۔

ملاحوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور عرشے پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ کپتان کی ساری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بحری ڈاکو کا دفن کیا ہوا خزانہ اتنی آسانی سے مل گیا تھا، نہیں تو دفن کیے ہوئے خزانے نصیب اور قسمت کے ساتھ ہی ملتے ہیں۔ یا تو وہ ایک خاص وقت کے گزر جانے کے پر زمین کے اندر ہی اندر چلنا شروع ہو

جاتے ہیں۔ اور یا پھر ان کے اوپر سانپ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کوئی بھی ان کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچتا ہے۔ سانپ ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔ خزانے تو کہاں ملنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی جان بچا کر ہی واپس آ جائیں تو غنیمت ہوتی ہے۔

لیکن کپتان اپنے آپ کو بہت ہی خوش نصیب خیال کر رہا تھا کہ اس نے کامیابی کے ساتھ جہاز پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر خزانے کو بھی حاصل کر لیا۔ اس نے خزانے کا صندوق اپنے کیبن میں اپنے پلنگ کے نیچے رکھوا دیا۔ اسے کسی پر بھروسہ نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس نے ایک سازش تیار کر رکھی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر تمام ملاحوں کو جزیرے پر ہی چھوڑ کر وہاں سے جہاز لے کر سمندر میں فرار ہو جائے گا۔ اور پھر اپنے ساتھی کو بھی قتل کر کے سارے خزانے کا تنہا مالک بن بیٹھے گا۔ ادھر اس کے ساتھی نے بھی دل میں سوچ رکھا تھا

کہ جب وہ کپتان کے ساتھ اکیلا سفر پر چلے گا تو راستے میں اسے
ہلاک کر کے خزانے پر خود قبضہ کر لے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو
دھوکہ دے رہے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دھوکے میں پہلے کون
کامیاب ہوتا ہے۔

کپتان نے اعلان کیا کہ خزانہ ملنے کی خوشی میں جزیرے پر ایک
بہت بڑی دعوت ہو گی جو کپتان اپنی طرف سے دے گا۔ جہازی
بڑے خوش ہوئے۔ کپتان نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ دعوت کے بعد
سارے ملاحوں میں خزانے کی دولت برابر برابر بانٹ دی جائے
گی۔ اس نے ملاحوں میں خوشی کی ایک اور لہر دوڑا دی۔ وہ خوشی سے
ناچنے اور چیخنے لگے۔ کپتان اپنے ساتھی کو لے کر کیبن میں آ گیا۔
اس نے کہا۔

”آج آدھی رات کو ہمیں ان تمام ملاحوں کو اسی گمنام جزیرے پر
چھوڑ کر جہاز لے کر یہاں سے فرار ہو جانا ہے“۔

کپتان کا ساتھی خوش ہو کر بولا۔

”بڑی خوشی کی بات ہے کپتان، میں تیار ہوں، مگر ان لوگوں بے
ہوش کر دینا چاہیے“۔

کپتان نے کہا

”اس کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ میرے پاس بے ہوش کرنے
والی دوائی موجود ہے۔ میں یہ دوائی ان کے شربت میں ڈال دوں گا
جو وہ کھانے کے ساتھ پئیں گے“۔

ساتھی بولا

”بہت خوب کپتان، میں تمہاری عقلمندی کی داد دیتا ہوں“۔

کپتان نے فخر سے کہا۔

”بحری جہاز کا کپتان میں ایسے ہی نہیں بن گیا میاں، ایک زمانے

کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ سارے سمندروں میں آوارہ گردی کر چکا ہوں۔ پھر کہیں جا کر یہ دانائی حاصل ہوئی ہے''۔

ساتھی نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''کپتان، بس اب تو میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گا۔ چاہے تو مجھے خزانے میں سے حصہ دو یا نہ دو۔ میں اب تمہاری ساری زندگی تمہارا غلام بن کر تم سے دانائی اور تجربہ حاصل کروں گا۔

کپتان نے فوراً تسلی دے کر کہا

''ایسا نہ کہو۔ تم میرے ساتھی ہو۔ خزانے میں سے تمہیں برابر کا حصہ ملے گا۔ آخر ہم دو ہی تو خزانے کے مالک رہ جائیں گے۔ پھر ہمیں آپس میں خزانہ بانٹنے میں کیا حرج ہوگا''۔

کپتان نے دل میں کہا بچو فکر نہ کرو، آج رات تمہارا بھی کام تمام کردوں گا۔ ادھر کپتان کے ساتھی نے بھی دل میں کہا کہ میاں کپتان تم چاہے جتنی مکاری کر لو۔ میں بھی تمہارا باپ ہوں۔ آج رات تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس خزانے پر صرف میرا حق ہے۔

دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ لیکن دولت نے، ہیرے جواہرات اور سونے کی چمک نے انہیں ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن اوپر سے بڑے میٹھے تھے۔

اس رات جزیرے پر بڑی زبردست اور شاندار دعوت ہوئی۔

جزیرے کے ساحل پر جگہ جگہ مشعلیں روشن کر کے چراغاں کیا گیا۔ ملاح خوشی سے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ جانوروں کی طرح مرغابیوں کے بھنے ہوئے گوشت کی رکابیوں اور بھنی ہوئی مچھلیوں کے طشتوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اونچی اونچی باتیں بھی کر رہے تھے۔ کھانا بھی ڈٹ کر کھا رہے تھے اور خوشی سے جھوم بھی رہے تھے۔

کپتان نے اپنا کام کر دیا تھا۔ اس نے سب کی نظر سے بچا کر شربت کے مٹکے میں بے ہوش کر دینے والی دوا ملا دی تھی۔ کپتان خود بھی ملاحوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آگ پر وہ سالم بکرے کو نمک مرچ لگا کر بھون رہا تھا اور ساتھ ساتھ بوٹیاں توڑ توڑ کر کھائے بھی جا رہا تھا۔ دعوت زوروں پر تھی۔ ایک شور اور ہنگامہ مچا تھا۔ کپتان اور اس کا ساتھی گوشت کھا رہے تھے مگر شربت نہیں پی رہے تھے۔ اس کی جگہ وہ سنگتروں کا عرق پی رہے تھے جو انہوں نے چھپا کر صراحی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ہر طرف خوشی اور مسرت بکھری تھی۔

لیکن ان کے عقب والے پام کے درختوں کی قطار میں جزیرے کے جنگلی لوگ تیزے ہاتھوں میں لیے چھپے بیٹھے تھے اور کسی خاص وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ سردار کے اشارے پر دو جنگلی درختوں کی دوسری طرف سے نکل کر زمین پر رینگتے ہوئے سمندر کی طرف چل

دیے۔ کچھ دور آگے جا کر وہ رینگتے رینگتے مگرمچھوں کی طرح سمندر میں کود گئے۔

رات بھیگنے لگی تو ملاح ایک ایک کر کے بے ہوش ہونا شروع ہو گئے۔ ان پر غنودگی سی طاری ہوتی اور وہی سر جھکا کر بے ہوش ہو جاتے۔ جب سارے کے سارے ملاح بے سدھ ہو کر پڑ گئے تو کپتان اور اس کا ساتھی اٹھے لپک کر اس کشتی میں گئے جو سمندر کے کنارے ریت پر کھڑی تھی۔ انہوں نے کھینچ کر کشتی کو سمندر میں ڈالا اور زور زور سے چپو چلاتے جہاز کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ رات کے اندھیرے میں جہاز لنگر ڈالے خاموش کھڑا تھا۔ کشتی جہاز کے پاس لے جا کر وہ رسے کے ذریعے جہاز کے اوپر چڑھ گئے۔ پھر انہوں نے اوپر سے شربت سے بھرے ہوئے ڈرم ایک دوسرے کے اوپر سمندر میں کھڑی کشتی میں گرا دیے۔ بھاری بھر ڈرموں کے گرتے

ہی کشتی ٹوٹ کر سمندر میں غرق ہوگئی۔

”دوست، اب میدان صاف ہے“۔

کپتان نے خوش ہوکر اپنے ساتھی کے شانے پر ہاتھ مارا۔

”جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم صبح ہونے سے پہلے اس جزیرے سے بہت دور نکل جائیں گے“۔

جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اس کے بادبان کھول دیے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی بحری جہاز نے جزیرے کے ساحل سے دور ہٹنا شروع کر دیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ جزیرے پر سناٹا طاری تھا۔ ساحل کی رات پر کچھ مشعلیں جل رہی تھیں اور کچھ بجھ گئی تھیں۔ جہاز کے سارے کے سارے ملاح ریت پر بے ہوش پڑے تھے۔ اور جہاز آہستہ آہستہ کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ بڑا دردناک منظر تھا۔ جہاز اپنے جہازیوں کو ایک گمنام جزیرے پر بے یارو

مددگار چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس جزیرے کی طرف کبھی کوئی جہاز نہیں آتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب یہ جہازی اس جزیرے پر بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔

کپتان اور اس کا ساتھی جہاز کے عرشے پر کھڑے جزیرے کو رات کی ہلکی ہلکی روشنی میں دور ہوتا دیکھ رہا تھے۔ کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”آخر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اب سارا خزانہ ہمارا ہے ہم ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیوروں سے بھرے ہوئے صندوق کے مالک ہیں ہم اس خزانے کو برابر آپس میں بانٹ لیں گے۔ ہاہاہاہا!“

کپتان بار بار قہقہے قہقہے لگا رہا تھا اور خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی خوشی تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل

کرنے کے بعد وہ اس جہاز اور کروڑوں اشرفیوں کی مالیت کے خزانے کا اکیلا مالک ہوگا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ اپنی ساتھی کو بھی کسی طرح ٹھکانے لگایا جائے۔ آخر اس کے مکار دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"دوست تھوڑی دیر کے لیے تم جہاز کی چرخی پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نیچے سے تمہارے لیے اور اپنے لیے بھنی ہوئی بطخ کا طشت لے کر آتا ہوں۔ ہم آج کی کامیابی کی خوشی میں بطخ کا گوشت اڑائیں گے"۔

کپتان کی جگہ جہاز کی چرخی پر اس کا ساتھی کھڑا ہوگیا اور کپتان اس کے پیچھے سے نیچے سیڑھیاں اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے پلنگ کے نیچے سے صندوق باہر کھینچ کر کھولا اور ایک بار پھر اس کا ڈھکن کھول کر خزانے کے ہیروں، موتیوں اور جواہرات اور سونے

چاندی کے زیورات کو لالچی نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اتنی دولت اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس دولت سے وہ اپنے کئی جہاز خرید لے گا۔ ہر ملک میں اپنے لیے ایک محل بنوائے گا۔ ہزاروں غلام اور کنیزیں اپنی خدمت کے لیے ملازم رکھے گا۔

پھر اسے اپنے ساتھی کا خیال آیا۔ اسے اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ کپتان کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے تیز دھار خنجر اپنی چمڑے کی پیٹی سے نکالا اور کیبن سے نکل کر دبے پاؤں چلتا ہوا ان سیڑھیوں کے پاس آ گیا جو اوپر عرشے پر چرخی کے پاس جا نکلتی تھیں۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا۔ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں ہو رہی تھی۔ دروازے میں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کا ساتھی بڑے مزے سے جہاز کی

چرخی گھما رہا تھا۔

کپتان کا ساتھی چرخی گھماتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اسے کپتان کا جلدی سے جلدی کام تمام کر دینا چاہیے بہتر ہے کہ وہ چرخی چھوڑ کر رسی کے ساتھ باندھ دے اور نیچے جا کر کپتان کو اس کے کیبن کے اندر ہی تلوار کے ایک وار سے ہلاک کر دے۔ اگر دیر ہو گئی تو اور زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے کپتان کو ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے چرخی کی رسی کو باندھنا شروع کر دیا۔ رسی کو باندھ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ خنجر کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے بڑا زور کے ساتھ ایک تیز دھار والا خنجر پورے کا پورا اس کی پشت میں کھب گیا۔ اس کا جسم لرز کر جھٹکے کھانے لگا۔ اس کا نچلا دھڑ ایکدم سن ہونے لگا۔ اور وہ پتھر کی طرح لڑکھڑا کر جہاز کے فرش پر گر پڑا۔ اس نے اپنے اوپر کھڑے

کپتان کو مکارانہ ہنستے دیکھا۔ مگر وہ بے بس ہو چکا تھا۔ اس کا آدھا دھڑ مردہ ہو چکا تھا۔ کپتان نے بازو لہرا کر خنجر کا ایک اور وار اپنے ساتھی کے دل پر کر دیا۔ یہ وار کاری لگا۔ خنجر کے تیز پھل نے دل کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کپتان کا ساتھی ذرا سا تڑپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ مر چکا تھا اور کپتان قہقہے قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ اب اتنے بڑے جہاز اور اتنی زیادہ دولت کا اکیلا مالک تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح خوشی سے رقص کرنے لگا۔ اس کے قہقہوں کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ خون سے بھرا ہوا خنجر صاف کرتے ہوئے کپتان اتر کر اپنے کیبن میں آ گیا۔ جہاز ایک ہموار رفتار کے ساتھ سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

کیبن میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور خزانے کا صندوق سامنے کھول کر بیٹھ گیا۔ وہ ایک ایک ہیرے موتی اور ایک ایک سونے

کے زیور کو اٹھا کر دیکھتا، اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا۔ اسے چومتا۔ اسے اپنے سر پر رکھتا اور پھر مسرت سے سر ہلانے لگتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی میں کبھی ایسی خوشی نہیں ملی تھی۔ کاش اس مکار قاتل کپتان کو معلوم ہوتا کہ اس کی یہ اتنی بڑی خوشی کوئی دم کی مہمان ہے بلکہ وہ خود بھی اس دنیا میں کوئی دم کا مہمان ہے۔ اس لیے کہ وہ جزیرے کے دو جنگلی جو سمندر میں اترے تھے۔ اس وقت کیبن کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہے تھے۔

وہ نیزے ہاتھوں میں لیے کپتان کے کیبن کے باہر آ کر رک گئے انہیں اندر سے کپتان کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب تعجب سے دیکھا اور پھر دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ کپتان خزانے کا صندوق کھولے دیوانوں کی طرح ہیرے جواہرات سے کھیل رہا تھا۔ جنگلیوں نے چپکے سے دروازہ کھولا

اور کیبن کے اندر آتے ہی ایک وحشی نے چیخ مار کر دونوں کے دونوں نیزے کپتان کی پشت میں پیوست کر دیے۔ کپتان جھوم جھوم کر جواہرات اور سونے کے زیورات سے کھیل رہا تھا کہ پیچھے سے اچانک دو نیزے اس کی پیٹھ میں آ کر کھب گئے۔

اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکل آئیں۔ وہ آگے کو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ نیزے کپتان کے جسم کے اندر گڑ گئے تھے اور خون کے فوارے چھوٹ پڑے تھے۔ ایک جنگلی نے آگے بڑھ کر کپتان کی پیٹھ میں سے کھینچ کر نیزہ باہر نکالا اور کپتان کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔

”تم ڈاکو ہو، تم قاتل ہو، تمہارا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے ساتھی ہمارے جزیرے پر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ ہم ان سب کو بھون کر زندہ کھا جائیں گے“۔

کپتان جنگلی ڈراؤنی شکل دیکھتا رہ گیا۔ جنگلی نے ہاتھ اٹھا کر نیزہ

اس کے سامنے سے دل میں آر پار کر دیا۔ کپتان کے منہ سے آخ کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ دونوں جنگلی وہاں کھڑے کچھ دیر تک کپتان کی لاش کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے لاش کو اٹھایا اور جہاز کے عرشے پر آ گئے۔ جہاز سمندر کی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔ جنگلیوں نے کپتان کی لاش کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ انہوں نے جہاز کے بادبان ایک طرف گھما کر اس کا رخ واپس جزیرے کی طرف کر دیا۔

جادوگر زمبو

جہاز جزیرے کے قریب پہنچا تو جنگلیوں نے اس میں آگ لگا دی۔ جہاز کو آگ لگا کر انہوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ وہ تیر کر جزیرے کے ساحل پر آ گئے۔ ساحل پر جزیرے کے سارے جنگلی نیزے ہاتھوں میں لیے جمع تھے۔ انہوں نے جہاز میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا۔ جہاز میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے بادبان جل رہے تھے۔

سارا جہاز جل رہا تھا۔ آسمان صبح کی ہلکی ہلکی چمک میں روشن ہو گیا تھا۔ جلتے ہوئے جہاز کے شعلوں کا عکس سمندر میں پڑ رہا تھا۔ اس جہاز میں جو کچھ تھا سب جل رہا تھا۔ کپتان کے کیبن میں بحری ڈاکوؤں کے لوٹے ہوئے خزانے کا صندوق بھی تھا۔

دیکھتے دیکھتے جہاز نے جل کر سمندر میں ڈوبنا شروع کر دیا۔ پہلے جہاز کے لکڑی کے مستول گرے۔ پھر اس کی پہلو کی دیواریں شعلے بن کر سمندر کی لہروں میں گر پڑیں اور پھر سارا جہاز جل کر راکھ ہو گیا۔ جزیرے میں جنگلی شور مچا رہے تھے اور جہاز کو جلتے دیکھ کر خوشی سے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے جزیرے پر بے ہوش سارے کے سارے بحری ڈاکوؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جہاز کے سمندر میں ڈوبتے ہی ایک دردناک کہانی کا باب ختم ہو گیا۔

عنبر بندرگاہ میں رخسانہ کے ماموں کی حویلی میں جاپان والے جہاز

کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ جہاز ابھی تک بندرگاہ پر نہیں پہنچا تھا۔ عنبر کو ناگ اور ماریا کی طرف سے بڑی تشویش تھی، بڑی فکر تھی۔ ناگ اور ماریا اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے۔ اس کا عنبر کو پورا پورا احساس تھا۔ وہ جلد سے جلد بندرگاہ چھوڑ کر واپس جاپان جانا چاہتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اکیلا واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ جاپان جانے والے بحری جہاز پر سوار ہوا جائے اور وہ جہاز ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ رخسانہ کا ماموں جس جہاز پر آیا تھا وہ اسی بندرگاہ سے واپس شمالی افریقہ کو جا رہا تھا۔ رخسانہ کے ماموں نے عنبر سے کہا کہ وہ انتظار کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ شمالی افریقہ کے ملک حبشہ کو جانے والے جہاز میں سوار ہو جائے اور پھر حبشہ سے جاپان چلا جائے۔ کیوں کہ حبشہ سے اسے جنوب مشرقی ایشیا کے لیے جہاز مل جائے گا۔

عنبر نے کہا:

"کیا آپ کو یقین ہے کہ حبشہ سے مجھے جاپان کے سمندر کی جانب جانے والا جہاز مل جائے گا؟"

ماموں نے کہا۔

"ضرور مل جائے گا۔ میں حبشہ رہ چکا ہوں۔ میرے سامنے وہاں سے سنگاپور اور کیوآن کی طرف جہاز جاتے رہتے ہیں۔ ویسے اگر تم ہمارے پاس رہ کر جاپان جانے والے جہاز کا انتظار کرنا چاہو تو ہمیں خوشی ہو گی۔ لیکن جیسا کہ تم اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے بارے میں پریشان ہو تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ باقی ہے کہ یہاں شمالی افریقہ چلے جاؤ اور پھر وہاں سے جاپان کا راستہ لو"۔

عنبر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

وہ میرا خیال ہے مجھے آپ کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ

میں اپنے بھائی اور بہن کے بارے میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے آپ یہ بتائیے کہ شمالی افریقہ جانے والا جہاز یہاں سے کب روانہ ہو رہا ہے؟"

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"میں اسی جہاز پر یہاں پہنچا ہوں۔ وہ کل شام کو یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔ اگر تم کل اس جہاز پر سوار ہو جاؤ تو تین دن تین راتیں سفر کرنے کے بعد حبشہ پہنچ جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سے تمہیں دس بارہ دن کے اندر اندر جاپان جانے والا جہاز مل جائے گا"۔

عنبر نے دل میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ میں کل شام ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا"۔

رخسانہ نے کہا۔

"بھائی عنبر! آپ کے جانے سے میں بہت اداس ہو جاؤں گی۔
آپ نے میری اس مشکل وقت میں مدد کی تھی جب کہ زمین پر رہنے
والا ایک ایک پرندہ میرا دشمن بن گیا تھا۔ میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا
کروں کم ہے"۔

عنبر نے کہا۔

"ایسی بات نہ کرو رخسانہ بہن میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔
جس طرح ایک بھائی کو اپنی بہن کے لیے کرنا چاہیے تھا، میں نے اسی
طرح کیا۔ اس میں شکریے کی کون سی بات ہے بھلا"۔

رخسانہ کے ماموں نے کہا۔

"عنبر میاں، تم ایک نیک اور بہادر انسان ہو میں نے ایک دنیا
دیکھی ہے۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے مجھے معلوم ہے کہ تم ایسے
نوجوان اس دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ تم نے میری بھانجی کی زندگی
بچا کر، عزت بچا کر ہم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اور ہمارا سارا
خاندان تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولے گا"۔

عنبر نے رخسانہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"رخسانہ میری بہن ہے۔ اس کی عزت میری عزت ہے۔ اس کی
زندگی میری زندگی ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو وہ مجھے نقصان
پہنچے گا اس لیے میں ایک بار پھر اپنے دل کی سچی آواز دہراؤں گا کہ
میں نے جو کچھ کیا وہ رخسانہ کی بھلائی کی خاطر کیا ہے۔ میں نے کوئی
بھی کام اپنے فائدے کے لیے نہیں کیا۔ اس لیے میں کہوں گا کہ مجھے
یہ سمجھ کر یاد کیا کریں کہ میں آپ کا بھائی تھا"۔

اگلے روز شام کو عنبر بندرگاہ سے رخصت ہو گیا۔

بندرگاہ پر رخسانہ اور اس کا ماموں دونوں آئے۔ عنبر جہاز پر سوار ہو
گیا۔ جہاز نے ٹھیک وقت پر لنگر اٹھا دیا اور شمالی افریقہ کی طرف اپنا

تین دن اور تین راتوں کا سفر شروع کر دیا۔ عنبر کے لیے شمالی افریقہ اس کے لیے اپنے وطن کی جگہ تھا۔ وہ مصر میں پیدا ہوا اور وہیں بڑھا پلا تھا۔ مگر یہ بات دو ہزار سال پہلے کی تھی۔ اب وہ دو ہزار پانچ سو سال کے بعد وہاں جا رہا تھا۔ وہ یہی سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس طرح اتنے برس گزارنے کے بعد مصر واپس نہیں آیا ہوگا۔

عنبر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اڑھائی ہزار برس کے بعد حبشہ اور شمالی افریقہ کے ملک کتنے بدل گئے ہیں۔ مصر کے فرعونوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور روم کے بادشاہوں نے شمالی افریقہ کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شہر میں ایک ریاست قائم تھی جس کا ایک الگ بادشاہ تھا۔ شہروں میں قبیلوں کے سرداروں کی حکومت تھی۔ یہ سب کچھ عنبر نے سن رکھا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ چل کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

لیکن حبشہ میں وہ زیادہ دیر تک رک نہ سکے گا۔

اسے فوراً وہاں پہنچ کر کسی نہ کسی پہلے جہاز میں سوار ہو کر جاپان کی طرف چلے جانا ہوگا۔ جہاز ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ سمندر کی لہریں بڑی پر سکون تھیں۔ کوئی طوفان نہیں تھا۔ ہوا بڑی موافق چل رہی تھی اور بادبانی جہاز ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جہاز ساری رات سفر کرنے کے بعد سارا دن بھی سفر کرتا رہا عنبر نے محسوس کیا کہ جہاز پر زیادہ تر افریقہ کے غریب حبشی سوار تھا۔ وہ خود افریقہ کا رہنے والا تھا۔ مگر وہ اس افریقہ میں بڑھا پلا تھا۔ جو شمال میں بحیرہ روم کے کنارے پر تھا۔ اور جہاں کی آب و ہوا میں رہنے والے سیاہ نہیں تھے بلکہ سانولے اور کھلتے ہوئے رنگ کے تھے۔

اسی جہاز میں ایک افریقہ کا جادوگر بھی سوار تھا۔ اس نے جہاز پر

لوگوں اور جہاز کے کپتان کو اپنے جادو کے کرتب دکھا کر بڑا اثر ڈال رکھا تھا۔ عنبر نے دو ایک بار اس جادوگر کو جہاز کے عرشے پر جہاز کے کپتان کے ساتھ قالین پر بیٹھے ہنس ہنس کر باتیں کرتے اور قہوہ پیتے دیکھا تھا۔ کپتان اس جادوگر کا بڑا ادب کرتا تھا اور اس سے ڈرتا بھی تھا۔ جادوگر نے اس فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ وہ جہاز میں جس مسافر سے چاہے مذاق کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ کسی مسافر کی بے عزتی بھی کر دیتا تو کپتان اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ مسافر جہاز کے کپتان کے پاس جا کر شکایت کرتے تو وہ سر لپیٹ کر خاموش ہو جاتا۔ ایک بار جادوگر نے ایک غریب آدمی کا کھانا سمندر میں پھینک دیا۔ وہ اپنے بچوں کو کھانا کھلانے بیٹھا تھا کہ کہیں جادوگر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اتفاق سے غریب آدمی کے بچے نے پانی گرایا تو اس کی چھینٹیں اڑ کر جادوگر کے ریشم کے لباس پر گر پڑیں۔ بس پھر کیا تھا جادوگر سخت طیش میں آ

گیا۔

اس نے غریب آدمی کو گالیاں دیں اور کھانا اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ غریب آدمی اس کی شکایت لے کر کپتان کے پاس پہنچا تو اس نے الٹا اس غریب آدمی کو برا بھلا کہہ کر کیبن سے باہر نکال دیا۔ عنبر نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموش رہا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جادوگر ایک کمینہ، ظالم اور بدمعاش آدمی ہے۔ وہ جادو کے زور سے لوگوں سے پیسے ٹھگ لیتا ہے۔ عنبر کو یہ جادوگر بڑا برا لگتا تھا۔ اس نے کبھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جہاز پر سفر کرتے ہوئے تیسرا دن تھا کہ ایک ایسا حادثہ ہو گیا جس نے عنبر کو جادوگر کے مقابلے پر لا کھڑا کر دیا۔ عنبر عرشے پر کھانا کھانے کے بعد ٹہل رہا تھا۔ آسمان پر دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑی پرسکون تھیں۔ جہاز موافق ہوا میں آرام سے چلا جا رہا

تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ جادوگر ایک بوڑھے حبشی کو ڈنڈوں سے بری طرح مار رہا ہے۔

یہ دیکھ کر عنبر برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھاگ کر جادوگر کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر سمندر میں پھینک دیا۔

”تمہیں ایک بوڑھے شخص کو اس بری طرح پیٹتے شرم نہیں آتی؟“

جادوگر نے اپنی لال لال غصہ بھری آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔ جادوگر بڑا طاقت والا اونچا لمبا حبشی قسم کا آدمی تھا۔ عنبر اس کے مقابلے میں ایک نوجوان سا تھا۔ جادوگر نے طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اے نوجوان کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ جاؤ

اور جا کر اپنا کام کرو“۔

عنبر نے زور سے جادوگر دیو کا ہاتھ پرے جھٹک دیا:

”بکواس بند کرو۔ تم ایک بدمعاش اور ظالم شخص ہو۔ تم نے سارے جہاز پر ایک ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا“۔

جادوگر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”میاں نوجوان، جاؤ اپنی خیر مناؤ اور میرے مقابلے پر نہ آؤ۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو میں تمہاری کھوپڑی توڑ کر ابھی دو ٹکڑے کر دوں گا“۔

عنبر نے کہا۔

”تمہارے جیسے جادوگر میں نے بہت دیکھے ہیں۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو چپکے سے اس غریب بوڑھے کے آگے ہاتھ جوڑ کر اس

سے اپنی زیادتی کی معافی مانگو،نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔"

اب تو جادوگر سے برداشت نہ ہو سکا۔اس نے فرش پر پڑا ہوا لکڑی کا ایک اور ڈنڈا اٹھا لیا اور عنبر پر حملہ کر دیا۔عنبر پرے ہٹنے کی بجائے اسی جگہ کھڑا رہا۔ڈنڈا عنبر کے سر پر لگا۔جادوگر کا خیال تھا کہ وہ گر پڑے گا۔لیکن وہ بالکل نہ گرا جادوگر بڑا حیران ہوا۔اس نے سوچا شاید اس نوجوان کا سر مضبوط ہے۔عنبر نے بھی فرش پر سے ڈنڈا اٹھا لیا۔جادوگر نے دوسری بار پوری طاقت سے عنبر کے سر پر ڈنڈا مارا۔ اسکی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس کا بھیجہ پاش پاش ہو گیا ہوتا۔مگر عنبر اتنی شدید چوٹ کھانے کے بعد بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔جادوگر کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اس نے اپنی زندگی میں اس قسم کا نوجوان نہیں دیکھا تھا۔دوسری طرف جب عنبر نے زور سے ایک ڈنڈا جادوگر کی ٹانگ پر مارا تو وہ ٹانگ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

لیکن جلدی سے اٹھا اور اس نے عنبر پر جادو کرنا شروع کر دیا جادوگر نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کالے علم کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔جادوگر کے منہ سے شعلے نکلنے لگے۔یہ شعلے تیزی سے عنبر کے چہرے پر گرے۔جادوگر کو یقین تھا کہ عنبر اس کے جادوؤں سے جل کر بھسم ہو جائے گا۔مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔جادوگر ششدر ہو گیا۔ اس عرصے میں جہاز کے دوسرے مسافر اور کپتان بھی وہاں آ گیا تھا۔یہ سارا ماجرہ انہوں نے بھی دیکھا تھا۔

کپتان نے کہا:

"یہ تم سے زیادہ بڑھ کر جادو جانتا ہے زمبو جادوگر"۔

جادوگر کا نام زمبو تھا۔زمبو نے چونک کر پہلے جہاز کے کپتان کو پھر عنبر کو دیکھا۔اب اس نے ایک بڑا ہی خوفناک جادو کا منتر پڑھ کر عنبر پر پھونکا۔یہ منتر ایک بار اس نے ایک پہاڑی کے ٹیلے پر پڑھ کر پھونکا

تھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ منتر کے پھونکے جانے کے ساتھ عنبر کے سارے بدن پر آگ لگ گئی۔ جہاز کے مسافر اور کپتان خوفزدہ ہو کر پرے ہٹ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ عنبر مر گیا ہے۔ وہ اتنی بڑی آگ کے شعلوں میں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ لیکن جب تھوڑی دیر کے بعد آگ بجھی تو سارے یہ دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے کہ عنبر اسی طرح اپنے سارے ریشمی کپڑوں سمیت کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آگ نے اس کے سر کے ایک بال تک کو اور ریشمی لباس کے ایک دھاگے تک کو نہیں جلایا تھا۔ جادوگر زمبو سمجھ گیا کہ یہ نوجوان کوئی بہت بڑا منتر جانتا ہے جس کی وجہ سے اس پر کسی قسم کے جادو کا اثر نہیں ہو رہا۔ اس نے عنبر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر پوری طاقت سے فرش پر دے مارا۔ عنبر کی جگہ اگر وہ پتھر کی بہت بڑی سل کو اٹھا کر اس طرح فرش پر مارتا تو اس کے کئی ٹکڑے ہو جاتے۔

مگر عنبر کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ وہ کپڑے جھاڑ کر بڑے سکون کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر عنبر کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

''تم جیت گئے۔۔۔ زمبو، تم ہار گئے''۔

کالا جادوگر

جادوگر زمبو بڑا مکار شخص تھا۔

اس نے عنبر کے آگے اپنی ہار مان لی اور اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولا۔

"میاں عنبر، تم سچ مچ جیت گئے اور میں ہار گیا۔ تم آج سے میرے استاد ہو اور میں تمہارا شاگرد ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟"

جب عنبر نے اسے بتایا کہ وہ حبشہ کے شہر جا رہا ہے تو جادوگر بڑا خوش ہوا۔

"بھئی واہ، میں بھی حبشہ ہی جا رہا ہوں۔ خوب، بہت خوب، مجھے بڑی خوشی ہوگی، اگر تم حبشہ میں میرے گھر مہمان بن کر رہو اور مجھے اپنی خدمت کرنے کا موقع دو۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ کی نوازش ہے ویسے میں سرائے میں ہی ٹھہروں گا۔"

جادوگر نے عیاری سے کہا۔

"اونہوں یہ ہمارے شہر والوں کی توہین ہوگی کہ اتنا بڑا انسان ہمارے شہر میں آئے اور سرائے میں ٹھہرے۔ آخر ہمارا گھر کس کے لیے ہے؟ نہیں نہیں میاں عنبر، میں تمہیں سرائے میں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ تمہیں میرے گھر میں ہی ٹھہرنا ہوگا۔"

جہاز کے کپتان اور حبشہ کے رہنے والے دوسرے مسافروں نے بھی عنبر کو مجبور کیا کہ وہ جادوگر کے گھر میں ہی ٹھہرے۔ آخر عنبر نے

ہاں کر دی۔ جادوگر بڑا خوش ہوا۔

دوسرے روز جہاز ملک حبشہ کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔

جادوگر زمبو نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر اپنے مکان میں لے آیا۔ یہ مکان ایک جنگل میں شہر کے قریب ہی تھا۔ اور گھاس پھونس کے دو کمرے سے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں جادوگر نے اپنا جادو کا سامان رکھا ہوا تھا اور دوسرے میں زمین پر بستر بچھا تھا۔

"میاں عنبر، تم اس بستر پر آرام کیا کرو گے۔ میں ساتھ والے کمرے میں سو جاؤں گا۔ بس جب تک تمہارا جہاز بندرگاہ سے روانہ نہیں ہوتا۔ تم اس جگہ بے فکر ہو کر آرام کر۔ بس اسے اپنا ہی گھر سمجھو"۔

عنبر نے کہا۔

"آپ میرے لیے کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ میں اگر کسی سرائے میں چلا جاتا تو اچھا تھا۔ آپ کے لیے زحمت نہیں بننا چاہتا"۔

جادوگر جھٹ بولا:

"بھئی کمال ہے پھر وہی بات۔ نہیں نہیں میں تمہاری وجہ سے مجھے بالکل زحمت نہیں ہو رہی۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے، اب تم یہاں آرام کرو، میں بازار سے تمہارے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں"۔

جادوگر چلا گیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ یہ شخص اچانک اس پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ چلو اسے تو کسی نہ کسی جگہ ٹھہرنا ہی تھا۔ سرائے نہ سہی۔۔ جادوگر کا گھر ہی سہی۔۔ جادوگر اس کا کیا بگاڑ لے گا۔

جادوگر وہاں سے چل کر شہر میں ایک حویلی میں آ گیا۔ اس حویلی

میں سوائے ایک بوڑھے نوکر کے اور کوئی نہیں رہتا تھا۔ یہ حویلی جادو
گر کی اپنی تھی۔ وہ جان بوجھ کر عنبر کو اس حویلی میں نہیں لایا تھا۔ جادو
گر حویلی کے تہہ خانے میں گیا۔ یہاں اس کا بوڑھا نوکر پہرہ دے رہا
تھا۔ جادوگر کو دیکھ کر نوکر نے جھک کر سلام کیا۔ جادوگر نے اسے ساتھ
لیا اور تہہ خانے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ کوٹھڑی کے
اندر زمین پر ایک تخت پوش بچھا تھا جس پر کپڑے میں ڈھکی ہوئی ایک
جوان لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ جادوگر نے لڑکی کے منہ سے کپڑا اٹھا
کر اسے غور سے دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔

”بس اب میرا چلہ پورا ہونے والا ہے۔ مجھے ایک ایسا نوجوان مل
گیا ہے جس پر موت اپنا اثر نہیں کرتی“۔

بوڑھے نے چونک کر کہا۔

”کیا سچ کہتے ہو میرے آقا؟“

جادوگر بولا۔

”ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جہاز میں مجھے ایک ایسا جوان ملا ہے
جس پر موت بے اثر ہو چکی ہے۔ خدا جانے وہ کب سے زندہ ہے اور
کب تک زندہ رہے گا۔ نہ جانے کس بہت بڑے جادوگر نے اس
کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے کہ موت کے پنجے سے آزاد ہو گیا ہے۔ بس
اب اگر وہ نوجوان یہاں آ کر کسی طرح اپنے ہاتھ سے اس بے ہوش
لڑکی کا گلا کاٹ دے تو اس لڑکی کے خون کو پی کر میں بھی ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے زندہ ہو جاؤں گا۔ پھر موت میرے لیے بھی حرام ہو جائے
گی۔ میں بھی موت کے پنجے سے نکل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو
جاؤں گا۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نوجوان عنبر کو کس طرح مجبور کیا
جائے کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار چلائے“۔

بوڑھا نوکر خاموش ہو گیا۔ جادوگر نے لڑکی کے چہرے پر دوبارہ

چادر ڈال دی اور بولا۔

"میں اب اس نوجوان کے پاس جا رہا ہوں۔ میں اسے لے کر یہاں آؤں گا اور اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ اس لڑکی کے گلے پر تلوار پھیر دے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اس کوٹھڑی میں بند کر دوں گا وہ مرے گا تو بالکل نہیں۔ مگر وہ اس کوٹھڑی سے ساری زندگی باہر بھی نہ نکل سکے گا"۔

جادوگر وہاں سے نکل گیا۔ بوڑھا ایک گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اس نوکر نے کتنی ہی لڑکیوں کے گلے پر چھری پھرتے دیکھی تھی۔ جادوگر کو ہمیشہ زندہ رہنے کا شوق پاگل پن کی حد تک تھا۔ اسے جادو کے زور سے پتہ چلا تھا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے کنواری لڑکی کا گلا کٹوا کر اس کا خون پیے گا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گا۔ اس کی خاطر جادوگر نے کتنی ہی کنواری لڑکیوں کو اغوا کیا۔ انہیں حویلی میں لا کر بے ہوش کر کے رسیوں میں جکڑ دیا۔ پھر وہ کسی نوجوان کی تلاش میں نکلا۔ جہاں کہیں اسے خبر ملی کہ ایک آدمی ایسا ہے جس پر موت اثر نہیں کرتی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس آدمی کو لاتا۔ اس سے کنواری لڑکی کو قتل کرواتا۔ اور پھر اس کا خون پی جاتا اور ساتھ ہی اس آدمی کو بھی قتل کر دیتا۔ مگر وہ ہر بار اپنے تجربے میں ناکام رہا تھا۔ کسی بھی ایسے آدمی کو حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ جو سچ مچ موت کے پنجے سے آزاد ہو چکا ہو۔ عنبر پہلا نوجوان اسے ملا تھا جس پر واقعی موت حرام ہو چکی تھی۔

جادوگر بڑی خوشی خوشی واپس جنگل والے جھونپڑے میں عنبر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"میاں عنبر، اگر تم میرا ایک کام کر دو تو میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا"۔

عنبر نے پوچھا

"آخر وہ ایسا کون سا کام ہے؟ اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کر دوں گا"۔

جادوگر بولا۔

"وہ کام تمہارے بس میں ہے عنبر میاں"۔

عنبر نے کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ۔ میں کرنے کو تیار ہوں"۔

جادوگر نے کہا۔

"میں ایک بہت زبردست چلہ کر رہا ہوں۔ چالیس دن پورے کر چکا ہوں۔ آج اکتالیسواں دن ہے۔ اگر تم میری حویلی میں چل کر میری بے ہوش بیٹی کی گردن پر اپنا ہاتھ زور سے مار دو تو میرا چلہ بھی پورا ہو جائے گا اور میری بیٹی بھی ہوش میں آ جائے گی، نہیں تو نہ میرا چلہ مکمل ہوگا اور نہ ساری زندگی میری بچی کو ہوش آئے گا۔ یہ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ چل کر میری بچی کی زندگی بچا لو"۔

عنبر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب' یہ کون سی بڑی بات ہے میں بھی آپ کے ساتھ چل کر اس کی گردن پر ہاتھ مار دیتا ہوں۔ مگر کیا میرے ہاتھ مارنے سے وہ زخمی تو نہیں ہو جائے گی"۔

جادوگر نے جھٹ کہا۔

"نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں نے اس کی گردن پر روئی اور کپڑا لپیٹ دیا ہے۔ اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی"۔

جادوگر عنبر کو لے کر حویلی میں آ گیا۔

اس عرصے میں بوڑھا بے ہوش کنواری لڑکی کی گردن پر تلوار رکھ کر اوپر کپڑا لپیٹ چکا تھا۔ تلوار کا تیز پھل بے ہوش لڑکی کی نازک گردن

کے اوپر تھا اور کپڑا اس طرح سے لپیٹ دیا گیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی کی گردن پہ ہاتھ مارے تو تلوار اس کی گردن میں دھنس جائے اور وہ اسی وقت ہلاک ہو جائے۔ یہ کام خاص طور پر بوڑھے کو سونپا گیا تھا۔ اس نے اس سے پہلے کئی لڑکیوں کی گردنوں پر اس طرح تلواریں رکھ کر کپڑا لپیٹا تھا۔ اس دفعہ وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی گردن پر کپڑا لپیٹتے ہوئے خوف کھا رہا تھا۔

اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ وہ یہ ظلم کب تک کرتا رہے گا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے۔ بوڑھے نوکر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آنے والے نوجوان کو سب کچھ بتا دے گا۔ اس طرح وہ کنواری بے ہوش لڑکی کی جان بھی بچا لے گا اور اس نوجوان کو بھی قتل ہونے سے بچا لے گا۔ اب وہ نوجوان عنبر کی راہ دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جادوگر نوجوان کو لے کر حویلی میں آ گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان لڑکی زمین پر بے ہوش پڑی ہے۔ اور اس کی گردن کے اوپر کپڑا لپیٹا ہوا ہے۔

جادوگر نے کہا۔

"میاں عنبر، یہی وہ میری بدنصیب بچی ہے جسے میں نے اپنے چلّے کی خاطر بے ہوش کر دیا ہے، اگر تم نے اس کی گردن پر ہاتھ نہ مارا تو نہ صرف یہ کہ میری بچی مر جائے گی بلکہ میرا چلّہ بھی ادھورہ رہ جائے گا۔ بس اب تم اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارو تا کہ یہ پھر زندہ ہو جائے اور میرا چلّہ بھی پورا ہو جائے"۔

عنبر نے سوچا کہ آخر گردن پر ہاتھ مار دینے سے کیا ہوگا۔ لڑکی تو مرے گی بالکل نہیں۔ وہ تیار ہو گیا۔ ابھی اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ بوڑھے نے اس کا ہاتھ روک دیا اور جادوگر سے کہا۔

"سرکار، مشک تو آپ نے جلایا ہی نہیں"۔

جادوگر بولا۔

"ارے، یہ تو میں بھول ہی گیا۔ میاں عنبر میں ابھی اپنے صندوق سے جادو کا مشک لے کر آتا ہوں۔ اس کے دھوئیں کے بغیر یہ چلہ پورا نہیں ہوگا۔ میں ابھی آیا"۔

جادوگر وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

جادوگر باہر گیا تو بوڑھے نوکر نے شروع سے لے کر آخر تک عنبر کو سارا قصہ کھول کر بیان کر دیا کہ کس طرح جادوگر ہمیشہ زندہ رہنے کے پاگل پن میں کتنی ہی بے گناہ لڑکیوں اور نوجوانوں کی زندگیاں ختم کر چکا ہے۔ عنبر کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بڑا پریشان ہے کہ اس سے خواہ مخواہ ایک لڑکی کا خون ہونے والا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"بابا' آپ نے مجھے قاتل بننے سے بچا لیا۔ اگر آپ جادوگر کو بہانے سے مشک لینے نہ بھیجتے تو میں لڑکی کی گردن پر ہاتھ مار دیتا اور کپڑے کے نیچے چھپی تلوار لڑکی کی گردن میں گھس کر اسے ہلاک کر دیتی"۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

"میاں عنبر' یہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر مشک ایسی جگہ چھپا دی تھی تاکہ عین وقت پر جادوگر کو یاد دلاؤں اور جب وہ باہر جائے تو میں آپ کو ساری بات بیان کر دوں"۔

عنبر نے کہا۔

"یہ جادوگر بڑا ظالم ہے۔ اگر اس کو ختم نہ کیا گیا تو پھر ابھی نہ جانے یہ کتنی لڑکیوں اور بے گناہ نوجوانوں کا خون کرے گا۔ اس لیے تم لڑکی کی گردن کے نیچے سے تلوار کھینچ لو اور میں اس تلوار سے خود جادوگر کو

ہلاک کروں گا"۔

بوڑھے نوکر نے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے مگر۔۔۔اے نوجوان جادوگر بڑا مکار ہے۔اس کے جادو میں بڑا اثر ہے۔اس کے پاس کالا جادو ہے۔وہ اپنے جادو سے تجھے آگ میں بھسم کر دے گا"۔

عنبر مسکرایا۔

"بابا' تم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لوگے کہ جادوگر کا جادو مجھ پر نہیں چلے گا اور وہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گا"۔

بوڑھا نوکر بولا۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹا۔ اس ظالم شخص کو تو کوئی بھی شخص آج تک ہلاک نہیں کر سکا"۔

اتنے میں مشک لے کر جادوگر کوٹھڑی میں آ گیا۔

"لو میاں عنبر، مشک تو میں لے آیا۔اب اسے جلاتا ہوں اور تم اپنا کام کرو"۔

عنبر نے گرج کر کہا۔

"بس اب آگے کچھ نہ کرنا۔آج سے تمہارا یہ ظلم کا کھیل بند ہوتا ہے۔اب تم کسی کو قتل نہ کر سکو گے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ میں تم سے ان تمام معصوم لڑکیوں اور بے گناہ آدمیوں کے خون کا بدلہ لوں گا، جن کو تم نے باری باری مار ڈالا اوران کا خون پی گئے"۔

جادوگر کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اسے خواب میں بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ یہ نوجوان اس کے راز کو پا لے گا اور اس کے خلاف ہو کر اس کی جان کا دشمن ہو جائے گا۔مگر اب وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ جادوگر سمجھ گیا کہ بوڑھے نوکر نے غداری کی ہے۔اور عنبر کو سب کچھ بتا دیا ہے۔جادوگر نے اپنی کمر سے

تلوار کھینچ کر نکالی اور عنبر کے سامنے آ گیا۔ عنبر نے بھی تلوار سونت لی۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہو گیا۔

جادوگر کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے بڑی چالاکی سے عنبر کی گردن پر تلوار کے دو چار ہاتھ مارے اور یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا کہ تلوار اس کی گردن پر لگ کر یوں اچٹ گئی تھی جیسے اس کی گردن پتھر کی ہو۔

دوسری طرف عنبر بڑھ بڑھ کر جادوگر پر وار کر رہا تھا۔

اس کی تلوار جادوگر کے چاروں طرف چل رہی تھی۔ جادوگر اب وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بھاگ جائے۔ کیونکہ وہ عنبر کو مار ہرگز نہیں سکتا تھا۔

عنبر بھی سمجھ گیا کہ جادوگر بھاگنے کی سوچ رہا ہے۔ ایک بار جادوگر بھاگنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ عنبر نے لپک کر تلوار ماری اور جادوگر کی گردن کٹ کر پرے جا گری۔ جادوگر مر گیا۔ بوڑھے نوکر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک پتھر دل ظالم مر گیا تھا۔ عنبر اور بوڑھے نے مل کر لڑکی کو ہوش دلایا۔ بوڑھا لڑکی کو لے کر اس کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور عنبر جنگل والی جادوگر کی جھونپڑی میں جا کر سو گیا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ جہاز کے آنے تک وہیں قیام کرے گا۔

شاہی قبرستان

ماریا کو غار کے مقبرے میں پڑے ایک مہینہ گذر گیا ہے۔

وہ پتھر کا بت بنی تابوت میں پڑی ہے۔ نہ اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے۔ وہ اپنے جسم کو ہلا بھی نہیں سکتی۔ اس کا سارا جسم پتھر بنا ہوا ہے۔ صرف وہ سن سکتی ہے، بول بھی نہیں سکتی۔ وہ دیکھ سکتی ہے۔ مگر ڈیلے زیادہ نہیں ہلا سکتی۔ وہ مردہ نہیں۔ مگر مردہ بھی ہے۔ اس کا ذہن سوچ رہا ہے۔ اپنے بھائی عنبر اور ناگ کے بارے میں، خدا جانے وہ اپنی بہن کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اسے

کہاں کہاں تلاش کر رہے ہوں گے۔ انہیں کبھی پتہ نہیں چل سکتا کہ ان کی بہن ماریا ٹیلے کے غار والے تہہ خانے کے مقبرے میں ایک تابوت میں پتھر بنی لیٹی ہے۔ وہ صبح وشام تابوت کے اندر لیٹی دل میں سوچتی رہتی کہ کبھی نہ کبھی تو شاید اس کی قسمت کے دن پھر جائیں گے۔ شاید کبھی اسے تلاش کرتے کرتے اس کا کوئی بھائی وہاں پہنچ جائے گا۔

وہ مقبرے کے تابوت میں زندہ دفن تھی۔

ادھر شاہی محل میں وزیر اور سپہ سالار نے بغاوت کے کام کو تیز کر دیا تھا۔ وہ ایک پل ضائع کیے بغیر جلدی سے جلدی ناگ کو قتل کر کے بادشاہ اور شہزادے کی رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں۔ تین بار ناکام ہونے کے بعد سپہ سالار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود اس دفعہ جا کر ناگ کا کام تمام کر دیگا۔

اس مقصد کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ رات کو سوتے میں ناگ کے کمرے میں جا کر اسے قتل نہیں کرے گا۔ بلکہ اسے کسی بہانے شہر سے باہر شاہی قبرستان میں لے جائے گا اور وہاں موقع پا کر اسے ختم کر دے گا۔ یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔

سپہ سالار نے ایک روز ناگ سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ وہ شاہی قبرستان میں اپنے باپ کی قبر پر پھول چڑھانے جا رہا ہے۔

''اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو اس سے میرے باپ کی روح کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں رواج ہے کہ باپ کی قبر پر بھی اکیلے نہیں جاتے بلکہ اپنے کسی خاص پیارے دوست کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ تم مجھے بہت پیارے ہو۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟''

ناگ بھولا بھالا نوجوان تھا زیادہ مکر و فریب نہیں جانتا تھا۔ اس نے

کبھی کسی کیساتھ فریب نہیں کیا تھا، بولا:

''سپہ سالار صاحب، اگر آپ کی مرضی ہے۔ آپ کی خواہش ہے تو ضرور جاؤں گا۔ اگر آپ کے باپ کی روح کو میرے جانے سے ثواب مل سکتا ہے۔ تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تیار ہوں''۔

سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔

''دیوتا تمہیں خوش رکھیں میرے دوست۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ آؤ میرے ساتھ''۔

سپہ سالار نے پھولوں کے ہار لیے اور ناگ کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں شاہی قبرستان کی طرف چل پڑے۔ شاہی قبرستان شہر سے باہر پہاڑیوں میں ایک ویران جگہ پر تھا۔ یہاں دن کو بھی ویرانی چھائی رہتی تھی۔ قبرستان کے دروازے پر شاہی چوکیدار

نے سپہ سالار کو جھک کر سلام کیا۔ سپہ سالار نے اسے کچھ سونے کے
سکے خیرات کیے اور ناگ کو لے کر قبروں میں چلنے لگا۔ گھوڑے انہوں
نے قبرستان کے دروازے پر ہی چھوڑ دیے تھے۔ یہاں ہر طرف
شاہی خاندان کی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔

شاہی قبروں میں ایسی بھی قبریں تھیں جو کئی کئی سو سال پرانی تھیں۔
سپہ سالار ناگ کو بتاتا جاتا تھا کہ فلاں قبر کس بادشاہ کی ہے اور فلاں کس
بادشاہ کی رانی یا رشتے دار کی ہے۔ ناگ بڑے غور سے ایک ایک قبر کو
دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اس شاہی قبرستان میں نہیں آیا
تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سپہ سالار اسے قتل کرنے
کے لیے وہاں لایا ہے۔ وہ قبروں پر لکھے ہوئے کتبوں کو بھی پڑھتا جا
رہا تھا۔ وہ قبرستان میں کافی دور نکل آئے۔ یہاں سوائے ان دونوں
کے اور کوئی نہیں تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

"سپہ سالار صاحب، آپ کے والد کی قبر کہاں ہے؟"

سپہ سالار نے یونہی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہیں کہیں تھی۔ اصل میں میں بہت دیر بعد ادھر آیا ہوں"۔

پھر وہ ایک قبر کی طرف یوں ہی اشارہ کر کے بولا۔

"وہ ہے میرے باپ کی قبر"۔

یہ قبر ایک شکستہ اور پرانی قبر تھی جس کے نیلے پتھر پر کچھ بھی نہیں لکھا
ہوا تھا۔ ناگ نے قبر کے پتھر کو دیکھ کر کہا۔

"مگر اس کے پتھر پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا؟"

سپہ سالار نے کہا۔

"پرانی قبر ہے۔ پتھر بھی پرانا تھا۔ جو کچھ لکھا وہ مٹ گیا۔ سوچتا
ہوں باپ کی روح کیا کہتی ہوگی۔ ایک نیا سفید پتھر پھر سے یہاں لگوا

دوں''۔

ناگ بولا:

''ہاں' یہ ضرور کریں۔ بزرگوں کی روحوں کا ہمیں بہت خیال رکھنا چاہیے''۔

پھول چڑھانے کے بعد ناگ وہاں عبادت کرنے لگا۔ سپہ سالار نے بھی جھوٹ موٹ آنکھیں بند کرلیں اور چوری چوری ناگ کو تکنا شروع کردیا۔ وہ اس پر حملہ کرنے کا موقع تلاش کررہا تھا۔ سپہ سالار نے خنجر نکال کر اپنے ہاتھ میں چھپا کر پکڑ لیا تھا۔ وہ اک ہی وار سے ناگ کا کام تمام کردینا چاہتا تھا۔ ناگ کو کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کے خلاف کس قدر بڑی سازش ہورہی ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ سچے دل سے سپہ سالار کے فرضی باپ کی قبر پر دعا مانگ رہا تھا۔

اچانک ناگ کو خطرے کا احساس ہوا۔ یہ بات خاص طور پر ناگ کے اندر موجود تھی۔ اسے سانپ ہونے کی وجہ سے عین وقت پر خطرے کا احساس ہوجاتا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ خطرہ کدھر ہے؟ اس کے پاس تو اس کا دوست سپہ سالار کھڑا تھا۔ پھر اسے خطرہ کس سے ہوسکتا تھا۔ لیکن اسے فوراً ہی پتہ چل گیا کہ خطرہ کدھر سے تھا ٹھیک اس وقت سالار نے ناگ کو غافل جان کر خنجر والا ہاتھ اٹھا کر ناگ پر حملہ کردیا۔ اگر ناگ تڑپ کر پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر اس کی گردن میں پیوست ہوگیا تھا۔ ناگ کے پرے ہٹتے ہی سپہ سالار بپھر گیا۔ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے جارہا تھا۔ ناگ بھی پوری طرح سے چوکس ہوگیا تھا۔ اس کا دشمن کھل کر سامنے آگیا تھا۔ ناگ نے زمین پر سے ایک لکڑی اٹھالی اور اسے ڈھال بنا کر خنجر کے وار روکنے لگا۔ اس نے سپہ سالار سے کہا۔

''سپہ سالار' یہ تم کیا کررہے ہو۔ تم تو میرے دوست بنتے تھے۔ پھر

تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ویسے میرے کانوں میں یہ بات پڑ چکی تھی کہ تم میرے دشمن ہو، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ آج یقین آ گیا"۔

سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

"اگر یقین آ گیا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"سپہ سالار، اب بھی وقت ہے اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔ اور اپنی جان بچا کر واپس چلے جاؤ۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے تم پر رحم آتا ہے"۔

سپہ سالار نفرت سے چلایا۔

"اے معمولی دو کوڑی کے نوجوان، تمہاری یہ مجال کہ مجھ پر ترس کھاؤ۔ اپنی حیثیت پہچان کر بات کرو۔ میں اس ملک کی ساری فوج

کا سپہ سالار ہوں۔ میں اگر چاہوں تو بادشاہ کو بھی تخت سے نیچے اتار سکتا ہوں"۔

ناگ نے پوچھا۔

"تو پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ تم کس کا انتظار کر رہے تھے؟"

سپہ سالار بولا:

"اس کی وجہ بھی تم ہی تھے۔ اب میں تمہاری زندگی کا چراغ اسی لیے گل کر رہا ہوں کہ اپنی حکومت کا چراغ روشن کر سکوں۔ لو اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

ناگ نے کہا۔

"اے سپہ سالار! میں آخری بار تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔ ہتھیار پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر تم اب بھی اپنی ضد پر اڑے

رہے تو پھر تمہاری موت میرے ہاتھوں ہوگی اور تمہاری موت پر میں اپنے ہاتھ سے مہر لگاؤں گا اور مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا“۔

”بکواس بند کرو اے معمولی گھٹیا آدمی' اب اگر تم نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں تمہاری زبان کاٹ کے رکھ دوں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ“۔

ناگ کے لیے اب یہی ایک راستہ تھا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے سپہ سالار کو مار ڈالے۔ سپہ سالار نے ناگ پر حملہ کیا۔ ناگ دوڑ کر بڑے سے گول پتھر کے پیچھے گر پڑا۔ فرش پر گرتے ہی ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور پلک جھپکتے ہی ایک خونخوار شیر بن کر سپہ سالار کے سامنے آ گیا۔ اس کی دھاڑ سے ساری وادی اور شاہی قبرستان گونج اٹھا۔ سپہ سالار کی تو سٹی گم ہو گئی۔ اس کی سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ ناگ کہاں چلا گیا اور یہ شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ اس جگہ کبھی کسی نے شیر کو نہیں دیکھا تھا۔ شاہی قبرستان میں ویسے بھی شیر کا کوئی کام نہیں تھا۔ اور پھر اس علاقے میں شیر کہیں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ادھر جنگل ہی بہت کم گھنے تھے۔ ناگ شیر کے روپ میں ایک بار پھر زور سے گرجا۔ اس کی دھاڑ سے سپہ سالار کا دل کانپ اٹھا۔

یہ دھاڑ عام شیروں کی دھاڑ سے بہت مختلف تھی۔ شیر ایک جگہ کھڑا سپہ سالار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا شیر تھا جس کی آنکھوں سے آگ کے شرارے نکل رہے تھے۔ سپہ سالار اس خیال سے بڑا خوفزدہ ہو رہا تھا کہ ناگ کہاں گم ہو گیا؟ کہیں یہ شیر ناگ تو نہیں؟ مگر ایک جیتا جاگتا انسان کیسے شیر بن سکتا ہے؟ سپہ سالار کے دماغ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی۔ وہ ڈر بھی رہا تھا'

حیران بھی تھا اور خنجر سے شیر کا مقابلہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اور شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ بھی رہا تھا۔ شیر اسے موقع دے رہا تھا کہ وہ اس دنیا کی ہوا میں زندگی کے کچھ اور سانس لے لے۔ اس کی شیر کے ہاتھوں موت یقینی تھی۔ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ سپہ سالار سے کچھ باتیں کرنی چاہئیں۔ اس نے کہا۔

''سپہ سالار مجھے پہچانتے ہو؟''

سپہ سالار کی ٹانگیں ناگ کی آواز سن کر کانپنے لگیں۔ وہ اتنا کہہ ہی سکا۔

''ناگ۔۔کیا۔۔کیا یہ تم ہو؟''

''ہاں۔۔اب تم مجھ سے بچ نہ سکو گے۔ میں تم سے ان تمام لوگوں کا بدلہ لوں گا جن کو تم نے قتل کروایا یا قتل کر دیا''۔

سپہ سالار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار نے خنجر شیر کی گردن میں مارنا چاہا مگر اس سے پہلے شیر نے ایک زبردست تھپڑ سپہ سالار کے منہ پر مارا۔ شیر کے پنجے میں اس قدر طاقت تھی کہ سپہ سالار کے چہرے کا ایک حصہ بالکل اڑ گیا اور وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

شیر نے قریب جا کر ایک اور تھپڑ اس کی کھوپڑی پر مارا جو دو ٹکڑے ہو گئی۔ سپہ سالار کی آنکھوں میں زندگی کی آخری شمع بجھنے لگی۔

ناگ نے پھنکار مار کر جون پھر سے بدل لی۔ وہ پھر سے انسان بن گیا۔ سپہ سالار نے آخری بار ناگ کو شیر سے انسان بنتے دیکھا اور ایک جھرجھری سی لے کر ہمیشہ کے لیے سو گیا۔ سپہ سالار مر گیا تھا۔

ناگ نے اس کے جسم پر قریب سے جھاڑیاں اور سوکھے پتے اٹھا کر ڈالے اور واپس اپنے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاہی محل میں آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر عنبر اور ماریا کو

یاد کرنے لگا۔

شام ہو گئی۔

ناگ کمرے سے باہر نکلا اور بادشاہ کے کمرے کی جانب اسے دوائی کھلانے چل دیا۔ رات گزر گئی۔ دن چڑھا۔ سپہ سالار کے گم ہو جانے کی خبر سارے محل میں پھیل گئی۔ فوج نے سپہ سالار کی تلاش شروع کر دی۔ اس کی گم شدگی سے وزیر سب سے زیادہ پریشان تھا۔ وہ خود سپاہیوں کا دستہ لے کر سپہ سالار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تلاش کرتے کرتے کسی نے آ کر بتایا کہ سپہ سالار کی لاش شاہی قبرستان میں پڑی ہے۔ بادشاہ اور وزیر وہاں پہنچ گئے۔ لاش سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے شیر نے پنجہ مار کر ہلاک کیا ہے۔ سپہ سالار کے چہرے اور گردن پر شیر کے پنجوں کے نشان تھے۔ بادشاہ اور وزیر بڑے حیران ہوئے کہ اس طرف شیر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ

وہاں کبھی کسی نے یہ نہیں سنا تھا کہ شیر نے آ کر کسی کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

"وزیر صاحب، شاہی قبرستان میں شیر کہاں سے آ گیا؟"

وزیر نے حیرانی سے کہا۔

"حضور انور، میں خود حیران ہوں کہ یہاں شیر کدھر سے آ گیا؟ ہمارے ملک کے جنگلوں میں بھی کہیں کہیں ہی شیر دیکھا جاتا ہے اور اس نے بھی آج تک کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا۔ پھر یہ کیا چکر ہے؟ یہ شیر کہاں سے آ گیا تھا؟"

بادشاہ کہنے لگا۔

"میں خود حیران ہوں، بہرحال سپہ سالار کی لاش پورے اعزاز اور شاہی رسموں کے مطابق دفن کی جائے گی۔"

سپہ سالار کو شاہی قبرستان میں دفن کر دیا گیا تو وزیر گہری سوچ میں

ڈوبا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کی سمجھ سے یہ معمہ نہیں کھل رہا تھا کہ ناگ کیسے سپہ سالار کے خنجر سے بچ گیا اور سپہ سالار کو ہلاک کرنے والا شیر کہاں سے آ گیا؟

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اب ناگ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ چاہے اس کی اپنی جان چلی جائے۔ وہ ناگ کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے رہے گا۔ صاف ظاہر تھا کہ وزیر کی موت بھی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اس کی بھی موت قریب تھی۔

ناگ نے بادشاہ اور شہزادے کو اتنا ضرور بتا دیا کہ سپہ سالار اسے بہانے بہانے سے شاہی قبرستان لے گیا تھا۔ وہاں جا کر اس نے ناگ پر حملہ کیا تھا۔ پھر اچانک ایک طرف سے شیر نکل آیا، جس نے سپہ سالار پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ ڈالا۔ اگر شیر وہاں نہ آ جاتا تو ناگ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا تھا۔ اس نے بادشاہ اور شہزادے کو یہ

ہرگز نہ بتایا کہ یہ اس کی اپنی کارستانی تھی اور اس نے خود شیر بن کر سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ادھر وزیر ناگ کو ختم کرنے کی سازش تیار کر رہا تھا اور ادھر ناگ نے ماریا کو تلاش کرنے کی مہم تیز کر دی تھی۔ وہ سارا سارا دن شہر کے باہر والے ویرانوں اور قبرستان میں ماریا کو تلاش کرتا پھرتا۔ اسے جگہ جگہ آوازیں دیتا۔ اس کا نام لے لے کر اسے آہستہ آہستہ سے پکارتا۔ مگر ماریا کی آواز کسی طرف سے بھی سنائی نہ دیتی۔

ایک روز وہ ماریا کی تلاش سے تھک ہار کر واپس شاہی محل کی طرف آ رہا تھا وہ تالاب والی پہاڑی کے قریب سے گزرا تو اچانک اس کی نگاہ پہاڑ کی ڈھلان پر ایک جگہ پڑی جہاں سے کچھ پتھر نیچے گرے ہوئے تھے۔ ناگ کے قدم رک گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ سے پتھروں کو گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ایک غار سا

نمودار ہو گیا۔ دو چار اور پتھر نیچے گر پڑے۔ ناگ کو اچانک خیال آیا کہ یہ تو وہی مقبرے والا غار ہے جہاں ملکہ کی روح چاندنی راتوں میں آ کر بین کیا کرتی ہے۔ کہیں ماریا اس مقبرے میں تو نہیں گئی؟ اس خیال کے ساتھ ہی ناگ غار کے اندر سیڑھیاں اترنے لگا۔